«نئی راہ»

اولیا اللہ نمبر

حالات اور تعلیمات

ایڈیٹر

ل عباس عباسی

۹ بی ہیرجی گووندجی بلاک ناگپاڑہ بمبئی ۸

نذرِ عقیدت

به حضور عطائے رسولؐ
سرتاج الاولیاء
زبدۃ الاصفیاء
قدوۃ السالکین
برہان الواصلین
دلیل العارفین
تاج العاشقین
سیّد العابدین
قطب الاقطاب
نائب رسول فی الہند
خواجۂ خواجگان
سلطان الہند

حضرت خواجہ

معین الدّین چشتی

رحمۃ اللہ علیہ

کریمی پریس اینڈ بک ایجنسی پائیدھونی روڈ بمبئی ۳

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

یاد رکھو اولیا پر نہ تو کسی قسم کا ڈر اور خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

مولانا ابوالکلام آزاد

ڈاکٹر رادھاکرشنن

ڈاکٹر ذاکر حسین

جواہر لال نہرو

راجگوپال آچاریہ

ڈاکٹر میر ولی الدین

علامۃ الہند مولا معین الدین اجمیری ؒ

پنڈت سندر لال

پروفیسر محمد حبیب ایم اے

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

اچاریہ ونوبا بھاوے

خلیق احمد نظامی ایم اے

اَوْلِیَآءُ اللّٰہ نمبر

علامہ انور صابری

مولانا صباح الدین ایم اے

مولانا معنی اجمیری ؒ

اور دیگر حضرات

مرتبہ

ظلِّ عباس عبّاسی

۹۔ بی ہیرجی گووندجی بلاکس ناگپاڑہ بمبئی ۸

انجمن خدام النبی کی یادگار پیشکش :
ہندوستان کی مذہبی درسگاہوں اور دینی اداروں
کا انسائیکلو پیڈیا
البلاغ
تعلیمی نمبر
جس میں ہندوستان کے چوٹی کے
علماء اور ماہرین تعلیم کے مضامین، مقالات اور دینی درسگاہوں پر
اہم معلومات درج ہیں
۴۰۰
سے زیادہ صفحات
(اولیاء اللہ نمبر سے ڈبل سائز)
ھدیہ: چار روپے
ملنے کا پتہ: انجمن خدام النبی
حاجی صابو صدیق مسافر خانہ۔ کرناک روڈ بمبئی ۳

اولیاء اللہ نمبر

خادم آستانہ عالیہ اور میرے مخدوم

استاذی محترم شیخ زادہ مولٰنا نصیر احمد صاحب چشتی اجمیری کے نام

حرف آغاز

سب سے پہلے تو میں ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں جن کے مقالات و مضامین یا افکار و تاثرات اس نمبر میں شامل ہیں۔

میری خواہش نہ تھی کہ میں آپ کے اور مقالہ نگار حضرات کے درمیان حائل ہوتا مگر

اسے حسن اتفاق کہیئے کہ ۱۶ ر فروری کو انور صابری صاحب سے ملاقات ہو گئی میری خواہش پر انھوں نے فی البدیہہ یہ اشعار یا اپنے تاثرات اور جذبات عقیدت اشعار کی صورت میں موزوں کر دئے۔ انھوں نے عنوان تجویز نہیں کیا تھا مگر میرے استفسار پر انھوں نے اس کا عنوان "خواجہ کا مشن" تجویز کیا۔ یہ سنکر میں نے عنوان میں "میرے" کا اضافہ کر دیا۔ اور اسطرح عنوان "میرے خواجہ کا مشن" ہو گیا۔ جو انھیں بیحد پسند آیا اور فوراً آخری شعر صفحہ قرطاس پر لکھ دیا۔ اپنے نام کی وجہ سے میں اس کی اشاعت میں ایک قسم کا انقباض سا (یا تکلف) محسوس کر رہا تھا مگر انور صابری صاحب کا اصرار ہے کہ اسے ضرور شائع کیا جائے۔ یہ شعر (بقول ان کے) لکھا نہیں گیا ہے لکھوایا گیا ہے) اور اس کی اشاعت دونوں کے لئے سعادت کا باعث ہو گی۔

بہر کیف مجھے اس بات کا بڑے فخر کے ساتھ اعتراف ہے کہ میرا مشن وہی مقدس مشن ہے جو اس سے پہلے ہمارے بزرگوں خاص طور پر مشائخ چشت کا مشن رہا ہے اور میں موجودہ سائنسی ترقیوں کے دور میں بھی اس مشن کیلئے اپنی زندگی گذارنے پر مسرت محسوس کرتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ مسلمان خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی (ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی کے الفاظ میں) ان

صوفیائے کرام کے تذکرے پڑھیں اور پڑھائیں ۔ جن کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا دلکش جلوہ غیر مسلموں کو دیکھنے کا موقعہ ملا تھا اور وہ اسلام کے جمال دل آرائی سے متاثر ہوتے اور اپنی جبین نیاز ان کے آستانہ پر جھکا دیتے تھے ۔

"وقت کا سخت ترین تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر صبر و ضبط تحمل و برداشت کی عادت پیدا کی جائے ، ان کے اندر اسلام کی حقیقی روح پیدا کی جائے تاکہ ان کا مذہب انسانیت کی خدمت کا بہترین ذریعہ سمجھا جائے تاکہ ان کے ہم وطن مسلمان کو اپنا بہترین رفیق ، بہترین پڑوسی ، بہترین مشیر ، بہترین غمگسار اور بہترین معین و مددگار سمجھیں ۔ اس طرح صحیح اسلامی اخلاق کا پیکر بن کر وہ دوسروں کے دل اپنے ہاتھ میں لے سکیں"

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اختلاف کے باوجود مخالف عقیدہ یا نظریہ رکھنے والوں پر دل آزار تبصروں اور ناگوار تنقیدوں سے احتراز کرنا چاہئے اور ہر شخص کا احترام کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے کیونکہ " ان العباد کلہم اخوۃ " حق تعالےٰ کے ہم سب بندے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ اس دور میں یہ بے انتہا ضروری ہے کہ تحمل و رواداری کی روح پیدا کی جائے ، اپنی بات کہنے اور دوسروں کی سمجھنے کی کوشش کی جائے ۔ جس بات کو صحیح سمجھیں اس پر خود چٹان کی طرح جمے رہیں لیکن دوسروں کی نیت پر شبہ نہ کریں اور یہ سمجھیں کہ جسطرح ہمیں ایک رائے قائم کرنے اور اس کے مطابق راہ عمل اختیار کرنے کا حق ہے اسی طرح دوسروں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی فہم و بصیرت سے کوئی رائے قائم کریں اور اس کے مطابق عمل کریں ۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہب کو سیاست اور مصلحت کا تابع کر کے پیش کیا جائے ۔ یہ بھی مطلب نہیں کہ مذہب کے اصولوں میں قطع و برید کی جائے بلکہ غرض یہ ہے کہ جسطرح زمانہ سابق میں مذہب کو ایک مفید

تحریک اور انسانیت کے لئے امن و سکون کا باعث ظاہر کرنے کے بجائے
ایک اختلافی اور نزاعی مسئلہ بنا دیا گیا تھا اور اپنے جھگڑوں میں کھینچ کر مذہب
کو لایا جاتا تھا ایسا نہ ہونا چاہیئے۔

اگر ہم آج بھی اپنے اعمال کو ایسا کرلیں کہ لوگ اسلام دین فطرت کے فضائل
و محاسن کا جلوہ ان میں دیکھ سکیں۔ تو مجھے یقین کامل ہے کہ آج کے سائنٹفک دور
میں بھی انسان کی فطرت سلیم دین فطرت، اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کر سکتی ہے۔

نئی راہ کا تازہ ترین شمارہ "اولیاء نمبر" آپ کے ہاتھوں میں ہے

ربیع الاول ۱۳۷۱ھ میں نئی راہ جاری کیا گیا تھا۔ پہلا شمارہ جشن ولادت
سرور کائنات (صلے اللہ علیہ وسلم) نمبر تھا جس کے دو سو سے زیادہ صفحات
میں ہندوستان، پاکستان اور دنیائے اسلام کی نامور شخصیتوں کے شاہکار
مضامین (مطبوعہ اور غیر مطبوعہ) کافی باریک قلم سے رف کاغذ پر شائع کئے گئے
تھے۔ دوسرے نمبر میں ضمیمہ جشن ولادت کے ساتھ ایک سو سے زیادہ مسلم و
غیر مسلم مشاہیر و غیر معروف اساتذہ و تلامذہ کی منتخبہ نعتیں یکجا کردی گئی تھیں
تیسرا خصوصی نمبر "بشریت کا مقام بلند" تھا۔ فاضل محترم جناب
محمد اجمل خان صاحب ایم۔ اے نے ایک مضمون لکھا تھا "القائے
شیطانی کی تحقیق قرآن کریم سے"، اس مضمون میں موصوف نے یہ بتایا تھا
کہ پیغمبروں پر بھی القائے شیطانی ہوا ہے اور انھوں نے بھی غلطیاں یا
گناہ کئے ہیں مگر وہ فوراً تائب ہو گئے۔ اس کے جواب میں مشفق و
محترم علامہ شہاب صاحب نے ایک طویل مقالہ سپرد قلم فرمایا
جس میں علم و تحقیق کی روشنی میں یہ بتایا گیا تھا کہ پیغمبروں پر

غلطیاں کرنے کا الزام یا نظریہ غلط ہے۔ قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرآن عصمت انبیاء کا علمبردار ہے، اس سلسلہ میں مولانا مودودی صاحب کا ایک مضمون قصۂ داؤدؑ اور اسرائیلی خرافات بھی اس نمبر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا تھا کیونکہ اس مضمون میں بھی ضمناً عصمت انبیاء پر بحث تھی۔

گزشتہ سال ماہ نزول قرآن میں ہم نے پونے دو سو صفحات پر مشتمل قرآن نمبر شائع کیا۔ جسمیں قرآن شریف پر دنیائے اسلام کی بعض اہم شخصیتوں کے مقالات و مضامین اور قرآن شریف کی سورتوں کے منظوم ترجمے شائع کئے گئے تھے۔

امسال ربیع الاول کے موقع پر نئی راہ کا خصوصی نمبر، پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں، شائع کیا گیا ہے جسمیں صرف غیر مسلم حضرات ہی کے منتخبہ مضامین و مقالات اور نعتیں و سلام یکجا کر دئے گئے تھے۔

نئی راہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ہم ہر مکتب خیال کے ذمہ دار اہل علم کے مضامین و مقالات شائع کر دیتے ہیں اور کسی مذہبی یا سیاسی گروہ سے وابستہ نہیں ہیں　کوشش کرتے ہیں کہ مختلف نظریات و اعتقادات رکھنے والے اپنے اپنے حق میں دلائل پیش کریں اور معقولیت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کو سمجھائیں۔ ہمارا مقصد مسلمانوں کو آپس میں لڑانا نہیں ہے بلکہ انھیں متحد کرنا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کو سمجھیں اور سمجھائیں

گویا　ایک سال کے　۴ نمبروں کیلئے　پانچ روپے

اولیاء اللہ نمبر　عہ　ایک روپیہ چار آنہ

خاص "نئی راہ" اولیاء اللہ نمبر کے لئے

میرے خواجہ کا مشن

علامہ انور صابری صاحب

اے خوشا تابانیٔ روئے معین الدین حسن
جس سے پھوٹی ہند میں اسلام کی پہلی کرن

حسنِ اخلاق و نظر سے دل مسخّر کر لئے
کر دیا ویران سینوں کو محبت کا چمن

دیکھ کر اندازِ تبلیغِ مبارک کا کمال
بن گئے شیخِ حرم ہو کر مسلماں برہمن

قل ہو اللہ احد کے نغمۂ توحید سے
آگئی خود بت پرستوں میں ادائے بت شکن

واقعہ ہے کر کے "لا اکراہ فی الدین" پر عمل
نوعِ انساں کو سکھائی راہ ربطِ جان و تن

اللہ اللہ فقر کی معراجِ اعلےٰ کا مقام
سر خمیدہ آج تک کرتے ہیں شاہانِ زمن

مجھکو بھی انور ہے ان کی نسبتِ کامل پہ ناز
روح نے بخشی ہے جن کی مجھکو تاثیرِ سخن

ظلِّ عباس آج ہیں اُس کے مقلّد بالیقیں
تھا بحمد اللہ جو کچھ میرے خواجہ کا مشن

حال وارد بمبئی
۱۶ر فروری ۵۸ء

فقیر نادیہ انور صابری

مولانا عبدالمعبود صاحب معنی اجمیری

دارالسلام

ترا دیار ہے دارالسلام یاخواجہ
تجلیاں ہیں نئی صبح و شام یاخواجہ
نگاہِ لطف، مرے دست و جیب دامن پر
طفیل قطب و فرید و نظام یاخواجہ
نہ فکر مے نہ غمِ جام تیرے مستوں کو
تری نگاہ سے چلتا ہے کام یاخواجہ
اسیر پنجۂ غربت معینی رنجور
ترے غلاموں کا ادنیٰ غلام یاخواجہ

ہزار بار آیم

اگر ز لطف بخوانی ہزار بار آیم
وگر ز خشم برانی ہزار بار آیم
کجا روم کہ ندارم درے بجز درِ تو
مرا مراں کہ تو دانی ہزار بار آیم

ہمی نازم کہ در طوفِ معین الدین حسنؒ رقصم

(ڈاکٹر عشرت حسین صاحب انور ایم، اے، پی ایچ ڈی لکچرار فلوسفی ڈیپارٹمنٹ
مسلم یونیورسٹی۔ علیگڈھ

ز خوشبوئے دلاویزِ معین الدین حسن رقصم ؎ بہ طوفِ گلشنِ لطفش چو بوئے یاسمن رقصم

خوشا وقتے زہے بختے کہ در ذوقِ وصالِ او ؎ چو خاکِ پاکِ پائے دوست در دشتِ دمن رقصم

ز فیضِ چشمِ مستِ او از کفر و دیں گذشتہ ام ؎ ہمی نازم کہ در طوفِ معین الدین حسنؒ رقصم

اگر چہ اندرونِ من بجز خوشبوئے جاناں نیست ؎ مگر حیراں ز مشکِ خود چو آہوئے ختن رقصم

انا الحق گر ہمی جرم است کردے قتل لازم شد ؎ بہ ذوق و شوقِ تیغش بے نیازِ جان و تن رقصم

اگر بر مرقدم آئی بہ ذوقِ ناز فرمائی ؎ غزل خوانی کناں خرم بہ شوق اندر کفن رقصم

مرا ہم دین و ملت بود ہم جانے و ایمانے
خرد پروردہ بودم ز لطفِ ذوالمنن رقصم

بہ من اسرارِ جانِ خویش ظاہر شد بہ ایں سامان
کہ از فیضِ نگاہِ دوست با دار و رسن رقصم

بہ ہر جانب کہ می نگرم بجز او کس نمی یابم
ز بوئے نافۂ مشکیں چو آہوئے ختن رقصم

زہے انساں بہ ذوقِ دردِ انساں گردے سوزد
میانِ انجمن بہر فروغِ انجمن رقصم

ہمی دانم کہ ذوقِ دردِ انساں کارِ طفلاں نیست
سراپا سوزِ غم ہستم بہ عزم کوہکن رقصم

ز نا امیدی نوید صبحِ روشن زندگی روشن
بہ تجدیدِ مذاقِ عشق در بیت الحزن رقصم

مذاقِ عاشقی انور مگر روشن شود روزے
منِ پروانۂ سوزاں میانِ انجمن رقصم

۲۰ر فروری ششم

علیگڈھ

۱۶ فروری ۱۹۵۵ء

مکرمی عباسی صاحب

شرمندہ ہوں کہ جواب بہت تاخیر سے دے رہا ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

ابھی ابھی خلیق احمد نظامی صاحب کی خدمت میں سے آرہا ہوں وہ آج مضمون دیدیتے لیکن افسوس کہ ان کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ بہرحال اسکی اجازت انھوں نے دیدی ہے کہ آپ تاریخ مشائخ چشت سے جو اقتباس چاہیں شائع کر سکتے ہیں۔ فقط

مشکور احمد سید (لکچرار)

مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ

حضرت داغ دہلوی

سلطان الہند غریب نواز

یا خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز
یا واقفِ راز خفی و جلی سلطان الہند غریب نواز
منہ عیش و طرب نے پھیر لیا دن رات کے غم نے گھیر لیا
ہو داد طلب کی دادرسی سلطان الہند غریب نواز
یہ داغ کہاں تک رنج سہے تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آلِ نبیؐ اولادِ علیؑ سلطان الہند غریب نواز

افادات مولینا ابو الکلام آزاد

اولیا اللہ اور قرآن

قرآن حکیم میں اولیا ر اللہ کا ذکر جگہ جگہ آیا ہے اور ان کی تعریف مختلف پیرایوں سے کی گئی ہے۔ مثلاً سورہ یونس میں ان کی ایک بہت بڑی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ ان کے لئے خوف اور غم نہ تو دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں

(۱) اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۚ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۰-۶۲)

یاد رکھو اولیا پر نہ تو کسی قسم کا ڈر اور خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ پر سچی روحوں کی طرح ایمان لائے اور اپنے اعمال میں اس کا خوف پیدا کیا پس انکے لئے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ یہ اللہ کا قانون ہے اور اللہ کے کلمات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوتی، انسان کے لئے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

(۲) اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۲-۲۵۷)

اللہ تعالےٰ مومنوں کا ولی (دوست) ہے وہ انھیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔

(۳) وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (۳-۶۸)

اور اللہ مومنوں کا ولی یعنی دوست ہے۔

(۴) وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِيْنَ

اور اللہ متقی انسانوں کا ولی ہے۔

سورہ اعراف میں صالحین کہا:۔

(۵) وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (۵-۹۵)

اللہ صالح انسانوں کا دوست ہے

؎ انتخاب الہلال۔

ع؎ اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان۔

سورہ جمعہ میں اس گروہ کی ایک آزمائش بتلائی جس میں پڑ کر معلوم ہوجائے گا کہ کون اولیاء اللہ میں سے ہے اور کون اولیاء الشیطان میں سے۔

(۶) قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے تم ہی اللہ کے دوست اور ولی ہو تو اسکی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ میں موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہوگے تو ضرور ایسا ہی کروگے

(۷) اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵-۵۵)

مسلمانو! تمھارا دوست اللہ اور اس کا رسول ہے، اور وہ مومن جو ایمان لاچکے ہیں۔ جو صلوٰۃ الٰہی کو دنیا میں قائم کرتے ہیں۔ جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو ہر وقت اللہ اور اسکے حکموں کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ، اسکے رسول اور مومنوں کا دوست و ولی ہوکر رہے گا وہ "حزب اللہ" میں سے ہے اور یقین کروکہ "حزب اللہ" کے لوگ غالب ہونے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کے ولی اور اس کے دوست ہیں ان کا ایک نام لسان اللہ الحکیم میں "حزب اللہ" بھی ہے۔ حزب کہتے ہیں گروہ اور جماعت کو۔ حزب اللہ سے مقصود وہ لوگ ہوئے جو اللہ کی جماعت ہیں۔

چنانچہ سورہ حشر میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی محبت کی راہ میں دنیا کے تمام رشتوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ حتیٰ کہ ماں باپ اور عزیز و اقربا کی محبت اور دامن گیری کو بھی ہیچ سمجھیں، اور خدا کی پکار جب ان کے کانوں میں پڑجائے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر اسی کی طرف دوڑ جائیں تو ایسے لوگ "حزب اللہ" ہیں۔

اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۵۸ - ۲۲)

یہی لوگ حزب اللہ ہیں۔ سُن رکھو کہ یقیناً حزب اللہ ہی کے افراد فلاح پانے والے ہیں

بعض خاص حالات وخصائص کی بنا پر انھیں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے یعنی دہنی جانب کی جماعت اور بائیں جانب کا گروہ

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ○

اصحاب المیمنہ اور اصحاب المیمنہ کے مدارج کا کیا کہنا کہ بڑے ہی عالی مرتبہ ہیں اور اصحاب المشئمہ اور اصحاب المشئمہ کی بدبختیوں کو کیا کہیئے کہ ان کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں اور پھر سابقون السابقون کو درگاہ الٰہی کے وہی حضوری بندے ہیں۔

اصحاب المیمنہ کو اصحاب الیمین بھی کہا ہے اور اصحاب المشئمہ کو اصحاب الشمال کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کا ذکر آگے چل کر یوں کیا ہے:

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ○ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ○ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ○ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ○ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ○ وَّمَآءٍ مَّسْکُوْبٍ ○ وَّفَاکِهَةٍ کَثِیْرَةٍ ○ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ○

اصحاب الیمین کے لئے باغ و بہار کی دائمی خوشیاں اور نظارے ہیں جو نہ تو کبھی روکے جا سکیں گے اور نہ کبھی ان کا سلسلہ ٹوٹے گا۔

اسی لئے اولیاء اللہ کی دعوت دنیا کی اصلاح و فلاح اور قیام انسانیت کاملہ و مدنیہ صحیحہ کا سرچشمہ ہے۔

اولیاء اللہ کے مدارج

اولیاء اللہ سے قرآن کریم کا مقصود کوئی مصطلحہ جماعت نہیں ہے بلکہ ہر مومن صادق جس نے شیطانی قوی سے اپنے تئیں الگ کر لیا ہے اور اللہ اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالے کے اولیا اور دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

البتہ اولیاء اللہ کے مدارج ومقامات .... کے خاص خاص حالات ضرور ہیں اور کتاب وسنت سے ایسے مقامات کا پتہ چلتا ہے جو ایان الٰہی اور قرب الی اللہ کے انتہائی مراتب ہیں۔ احادیث صحیحہ علی الخصوص صحیح بخاری کے کتاب التواضع، کی حدیث " ولی " میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ کے مدارج اس مشہور آیت شریفہ میں بھی بیان کر دیئے گئے ہیں:۔

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا

اور جس نے اللہ کی اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں میں سے ہوا جن پر اللہ کا انعام ہوتا ہے یعنی نبیوں میں سے اور صدیقین میں سے اور شہدا میں سے اور صالحین میں سے اور وہ اسکے بہترین رفیق ہوئے۔

شخصیت کے بہترین معمار

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ "تاریخ مشائخ چشت" مؤلفہ خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے) کے پیش لفظ میں رقمطراز ہیں کہ:-

"صوفیہ کے حالات زندگی کو کشف و کرامات کے کھرے سے نکال کر صحیح تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت اتنی کبھی نہ تھی جتنی آج ہے"۔

"سیرت کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر، یہ شاید آدمی کے کاموں میں سب سے کٹھن اور سب سے اہم کام ہیں۔ انفرادی زندگی میں بھی، اجتماعی زندگی میں بھی، انفرادی زندگی کی تکمیل اور یہ کام تو ہم معنی چیزیں ہیں، جماعتی زندگی کا سدھار بھی ان کا طالب ہے اس لئے کہ جماعتی تمدن کی تعمیر کا لازمی تقاضہ ہے کہ معمار خود بھی اپنی تعمیر کرے، اس تعمیر کا راستہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے صلاحیتوں اور استعدادوں کو جو گوناگوں اور کبھی کبھی متضاد بخششیں کی ہیں ان میں یکسوئی اور یکجہتی پیدا کی جائے بے ترتیب انفرادیت کی مرتب سیرت بنایا جائے اور اس سیرت کو جانے بوجھے بالارادہ اقدار مطلقہ کی چاکری لگا کر اخلاقی شخصیت کے مرتبہ بلند پر پہنچایا جائے۔ خزانۂ کائنات میں اخلاقی شخصیت غالباً سب سے گراں بہا گوہر ہے۔ فرشتے اس پر رشک کر سکتے ہیں کرتے ہیں۔ خالق کائنات اپنے اس شاہکار پر ناز کر سکتا ہے کرتا ہے۔

شخصیت کی تعمیر کے اس اہم کام کو جس اہتمام جس انہماک جس خلوص اور جس شیفتگی سے اکابر صوفیہ نے انجام دیا اور جس وسیع پیمانہ پر اس کام کے انجام دینے میں لوگوں کی مدد اور رہنمائی کی، اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے

ملتی ہے۔ ان کے کارناموں سے، ان کے مجاہدوں ان کی خدمتوں، انکی تعلیمی و تربیتی کوششوں سے واقفیت آج بھی تعمیر شخصیت کے دشوار کام میں موثر و معاونت کرسکتی ہے۔ دورِ انحطاط میں قوم اپنے اکابر کے کارناموں اور ان کی شخصیتوں کو بھی اپنی ہی پست سطح پر لے آتی ہے۔ چنانچہ ان مردانِ خدا کو یاد کرنے والے بھی ان کی طرف طرح طرح کے من گھڑت افسانے منسوب کرکے سمجھتے ہیں کہ ان کا رتبہ بڑھا رہے ہیں اور افکار و کردار کے اس انمول خزانے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جن سے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے، ناقدرے ہیروں میں کنکر کی خوبیاں نکالتے ہیں، مگر زمانہ کا رُخ بدل رہا ہے۔ نظریں حقیقت کی متلاشی نظر آتی ہیں۔

اولیاء اللہ کی پہچان

اللہ کا دوست اور ولی وہی ہو سکتا ہے جو اس کے حکم کا پیرو اور داعی ہو اور اسی طرح شیطان کا ولی وہ ہے جو اس کے حکموں کی منادی کرے اللہ کا حکم یہ ہے کہ یامُرُ بالعدل والاحسان اس لئے اولیاء اللہ کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ امر بالمعروف و ناہی عن المنکر ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے دوست اس کے سفیر اور اس کی حکومت کے خلیفہ ہیں اور سفیر وہی ہے جو اپنے بادشاہ کے حکم کا ترجمان ہو۔ یہی سبب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر جابجا زور دیا گیا ہے اور اسے مومنوں کے تمام اعمال حسنہ کی بنیاد و اساس بتلایا ہے۔

مشائخ چشت کا طریقۂ تبلیغ

اسلام اور اسلام کے اصولوں کی اشاعت کے لئے جو طریقہ کار مشائخ چشت نے اختیار کیا تھا وہ مروجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ زبان سے کسی اصول کی تبلیغ و اشاعت کو بے سود و بے کار سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک انسان کی زندگی خود ان اصولوں کی تفسیر نہ بن جائے کسی کو ان اصولوں سے دلچسپی پیدا نہیں کرائی جا سکتی۔ عمل میں ایک جاذبیت ہے اس کا اثر زیادہ گہرا اور پائدار ہوتا ہے کارلائل (Carlyle) نے رسول مقبولؐ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نور کے ایک بہتے ہوئے چشمہ کے مانند تھے جو ان کے نزدیک آجاتا منور ہو جاتا۔ مشائخ کی بھی کوشش یہی تھی کہ ان کے عمل کی کشش خود بخود لوگوں کو کھینچ لے۔ انھیں زبان سے نہ کہنا پڑے۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے:۔

"ہر چہ علماء بزبان دعوت کنند۔ مشائخ بہ عمل دعوت کنند۵" (سیرالاولیاء ص ۳۲۱)

ایک دن ایک مسلمان ایک ہندو کو لیکر شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "یہ میرا بھائی ہے"۔ حضرت نے پوچھا "ایں برادر تو ہیچ میلے بہ مسلمانی دارد" (تیرا یہ بھائی مسلمانی سے بھی کچھ رغبت رکھتا ہے؟) اس شخص نے عرض کیا "میں اسی غرض سے اسے یہاں لایا ہوں کہ جناب کی نظر التفات سے وہ مسلمان ہو جائے۔ شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے فرمایا" اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آیا جایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائیں۔" اس کے بعد انھوں نے ایک طویل حکایت بیان کی جو تبدیلی مذہب کے بنیادی اصولوں پر ان کے خیالات کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو کسی کو

۵ ترجمہ: علماء جس بات کی زبان سے دعوت دیتے ہیں اولیاء اللہ عمل کے ذریعے اس کی دعوت دیتے ہیں۔

تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جاسکتا ہے نہ زبانی تلقین سے۔ اچھا کردار تلوار اور زبان سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت۔ اعتقاد و عمل میں انقلاب برپا کرسکتی ہے۔ دوسروں کو مسلمان بنانے سے پہلے خود مسلمان بننا ضروری ہے۔ پھر تمہاری صحبت میں جو آئے گا خود مسلمان ہوجائے گا۔

مشائخ چشت ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہندو تمہاری صحبت سے گرویدگی یا عقیدت کی بنا پر تمہارے پاس آنے جانے لگے اور تم سے ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھے تو فوراً بتا دو۔ اس فکر میں نہ رہو کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہوجائے۔ جب اسے روحانی تعلیم دیجائے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی ؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"صلح با ہندو و مسلمان سازند وہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند ذکر و فکر، مراقبہ و تعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود اورا برابطہ اسلام خواہد کشید" (مکتوبات کلیمی ص۳۲)

شیخ نظام الدین اولیاؒ کی ایک عبارت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ فرماتے تھے کہ اگر بیعت کے شرائط و قواعد کو وہ پہلے ہی سے بیان کردیں تو بہت سے لوگ محروم رہ جائیں۔ دینی معاملات میں سہولت پیدا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کو بیک وقت بہت سے اصول و قواعد کی بندش میں جکڑنا اچھا نہیں۔ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ ایک دفعہ ان پر ڈالدینا۔ نفسیاتی مصلحتوں کے خلاف ہے

---

۵۱ شاہ ولی اللہ دہلوی نے "حجۃ اللہ البالغہ" (باب التفسیر جلد اول ص۲۱۱) میں مذہبی آسانیوں پر مفصل گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ لوگوں کی طبیعت کی رغبتوں کو سامنے رکھکر مذہبی اصولوں کے اتباع کی دعوت دینی چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تبلیغی کام کے لئے یمن روانہ کیا تو ۴۴

مشائخ چشت اشاعت دین کے اسی اصول پر عامل تھے اور اسی کو زیادہ موثر خیال کرتے تھے۔

ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے زمانہ سے لے کر شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے زمانہ تک مشائخ کو ایسے لوگوں کی اصلاح و تربیت کرنی پڑی ہے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن اپنے قبیلے کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ :-

یکے از حاضران پرسید کہ ہندوے کہ کلمہ میگوید و خدائے را بوحدانیت یاد می کند رسول را برسالت، اما ہمیں کہ مسلمان می آیند ساکت میشود۔ عاقبت او چہ باشد	حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ہندو کلمہ پڑھتا ہے۔ اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر اعتقاد رکھتا ہے لیکن جونہی مسلمان آتے ہیں خاموش ہو جاتا ہے۔ اسکی عاقبت کیسی ہوگی

(فوائد الفواد ص ۱۲۵)

شاہ کلیم اللہ دہلوی ایک خط میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو لکھتے ہیں :-

"و دیگر مرقوم بود بھیہ ، بارام و ہندوہاے دیگر بسیار ورابطہ اسلام در آمدہ اند اما بر مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند" (مکتوبات کلیمی ص ۲۵)

شاہ کلیم اللہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آہستہ آہستہ تبدیلی مذہب کا اظہار ہو جانا بھی ضروری ہے (مکتوبات کلیمی ص ۲۵)

حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے ایسے لوگوں کے متعلق صرف اتنا فرمایا تھا :-

معاملہ او بحق است ۔ تا حق چہ کند

انشاء و عفا و انشاء و عذب

---

۹۶ ہدایت فرمائی :

یسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا و تطاوعا ولا تختلفا ۔	(دین کو) آسان کر کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں۔ لوگوں کو خوش خبری سنانا، نفرت نہ دلانا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا اختلاف نہ کرنا ۔

۵۱ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرماتے ہیں :-

انک تاتی قوماً من اھل الکتاب .... فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب۔

تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو۔ پہلے انکو کلمۂ توحید کی دعوت دو۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو انکو بتاؤ کہ خدا نے رات دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے۔ جو ان کے امراء سے لیکر ان کے غربا پر تقسیم کر دیا جائیگا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

صوفیوں کا رویّہ ہندوؤں کیساتھ

جناب خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے استاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے:۔

"حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ	حضرت قبلہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے
در طریق ما ہست کہ با مسلمان و ہندو صلح	سلسلہ کا یہ اصول رہا ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں
باید داشت۔ و ایں بیت شاہد آوردند ؎	سے صلح رکھنی چاہیے اور یہ بیت پڑھا کرتے تھے ؎

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

(نافع السالکین ص ۱۷۶)

ان کے نزدیک یہ تقاضا سماج اور ریاست کا نہ تھا بلکہ اخلاق و انسانیت کا مطالبہ تھا۔ وہ عملاً الخلقُ عیالُ اللہِ کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ عقائد و نظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتے پر اثر انداز نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان — وکونوا عباداللہِ اخوانًا اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بنجاؤ (بخاری) ان کا ایمان تھا۔ وہ مہر و محبت خلوص و مروت، ہمدردی و رواداری سے انسانی قلوب کو ایک رشتۂ الفت میں پرونے کی کوشش کرتے تھے ..... ایک شخص نے بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں قینچی پیش کی۔ فرمایا "مجھے تو سوئی دو، میں کاٹتا نہیں

جوڑتا ہوں" (فوائد الفواد)

ہندو مذہب کی طرف مشائخ چشت کا جو رویہ تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے۔ ایک دن صبح کے وقت شیخ نظام الدین اولیاؒ امیر خسرو کے ساتھ اپنے جماعت خانے کی چھت پر چہل قدمی فرما رہے تھے دیکھا کہ پڑوس میں کچھ ہندو بتوں کی پوجا کر رہے ہیں فرمایا
"ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے"

امیر خسروؒ نے فوراً ہی دوسرا مصرعہ کہا ع من قبلہ راست کردم برطرف کج کلاہے۔
کہتے ہیں کہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے سر پر ٹوپی رکھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو قلمی نسخہ انوار العیون۔ نیز تزک جہانگیری۔

یہ جملہ ان کے افکار کا مکمل ترجمان ہے اور چشتیہ سلسلے کے اصولوں کا بہترین آئینہ دار ہے مشائخ چشت کی وسعت نظر اور رواداری کا یہ حال تھا کہ ہندوؤں کی کوئی بات پسند آئی تو اس کی بے تکلف تعریف کرتے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی خانقاہ میں جوگی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ دو مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی ان سے وہاں گفتگو ہوئی (فوائد الفواد صہ ۸۵ و صہ ۲۲۵)

ایک بار عالم علوی اور سفلی پر بات چیت چھڑ گئی۔ جوگی نے اپنے خیالات کی جو وضاحت کی تو شیخ نظام الدین الاولیاءؒ پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا "مرا سخن او خوش آمد" (فوائد الفواد صہ ۸۵)
مذہبی معاملات میں خلوص اور استقامت کو مشائخ چشت بےحد پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ غالب کی طرح انھوں نے یہ تو نہیں کہا ؎

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

لیکن اس استواری کی ہمیشہ تعریف کی۔ ایک مرتبہ امیر حسن سنجریؒ (جامع الفوائد) کو کچھ دنوں تک تنخواہ نہ ملی۔ جسکی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کو اس کا علم

ہوا تو فرمایا :۔

"ایک شہر میں، کوئی مالدار برہمن رہتا تھا۔ شاید اس پر شہر کے حاکم نے جرمانہ کیا۔ اس کا سارا مال و اسباب لے لیا۔ بعد ازاں وہی برہمن مفلس و مضطرب کسی راستے چل رہا تھا۔ سامنے سے اسے ایک دوست ملا۔ پوچھنے لگا کیا حال ہے۔ برہمن نے کہا اچھا اور بہت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ساری چیزیں تو تجھ سے چھن گئیں اب کیا خاک اچھا ہوگا۔ بولا " زنار من با من است" (میرا جنیو تو میرے پاس ہے) فوائد الفواد ص۵۶

یہ حکایت سن کر امیر حسنؒ کے دل کو بڑی تسکین ہوئی۔ علامہ اقبال امیر خسروؒ کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے کہ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے جذبات کا بہترین آئینہ دار ہے۔

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری
ہم زوے آموز پرستش گری

اولیاء اللہ کی امتیازی خصوصیات

قرآن حکیم کے تدبر اور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل، ایمان و کفر نور و ظلمت، تعلق علوی و رشتۂ سفلی اور اعمال صالحہ و کاروبار مفسدہ و سیئہ کے اختلاف کے اعتبار سے دو بالکل متضاد اور مخالف گروہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں اور جب کبھی حق و باطل کا معرکہ گرم ہوتا ہے تو ان ہی دو جماعتوں کی قطاریں ایک دوسرے کے مقابل میں صف آرا ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے مختلف ناموں سے ان دونوں جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔

مثلاً بتیس۳۲ سے زیادہ مقامات میں ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جس اپنے

دلوں کو حق کے قبول کے لئے مستعد کرلیا اور جو اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے اللہ اور اس کی صداقت کو چاہنے والی اور پیار کرنے والی ہے اور اس لیے اللہ نے بھی اپنا دوست بنالیا ہے اس جماعت کو اولیاء اللہ کے لقب سے پکارا گیا ہے یعنی وہ خدا کے دوست ہیں۔

اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انھیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہوجانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑتے ہیں گویا بھوکوں کو غذا کی اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی۔ پر جو جھوٹے ہیں وہ اللہ کی ولایت سے محروم، وہ انکار کردیتے ہیں، اور یہ اُن کے جھوٹے ہونے کی مہر ہے جو خود انھوں نے اپنے اوپر لگادی ہے۔ مگر موت کی تمنا سے مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لئے التجا کرے اللہ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ سچے اور جھوٹے آدمی کی پہچان کے لئے ایک کسوٹی دیدے۔ پس فرمایا کہ "اگر خدا کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو۔ یعنی اس کے لئے اور اس کے کلمۂ حق کے لئے ایسے کاموں میں پڑو جن میں جان دینے اپنا خون بہانے، اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈال دینے اور زندگی کے عیش و نشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد پھر خود ہی فیصلہ کیا کہ یہ کام اولیاء اللہ کا ہے۔ اولیاء الشیطان کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے؛ کیونکہ یہ موت کے نام سے ڈرتے اور کانپتے ہیں اور زندگی کے عیش میں پاگل ہوگئے ہیں۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶۲-۸)

ان سے کہہ دو کہ اے نفس پرستو، جس موت سے کہ تم اس قدر بھاگتے ہو، وہ کچھ تمھیں چھوڑ نہ دے گی۔ ایک دن ضرور ہی آئے گی۔ پھر تم اسی خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔

ارتقاء روحانی

(خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے، استاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

حقیقت یہ ہے کہ تصوف نام ہی خدمت خلق اور تعلیم اخلاق کا ہے۔ ہمارے مشائخ متقدمین نے اس کو یہی سمجھا تھا اور اسی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

(۱) محبت الہی (۲) خدمت خلق اور (۳) تعلیم اخلاق ان سب کا نتیجہ کیا ہے؟ صوفیہ کا کہنا ہے کہ ان سب کا نتیجہ ارتقاء روحانی ہے۔

ارتقاء روحانی کی وضاحت مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی سنیئے کہ اس سے بہتر وضاحت ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"فی الحقیقت وہ قانون ارتقا جو لامارک، ہیکل۔ ابن مسکویہ اور ڈاروِن نے دریافت کیا ہے صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے۔ وہ کچھ نہیں بتلاتا کہ ارتقاء انسانی کی یہ زنجیر ہیکل انسانی کی کڑی تک پہونچ کر پھر کہاں چلی جاتی ہے اور اس کے بعد ارتقاء کے منازل باقی رہتے ہیں یا نہیں؟

لیکن وہ قانون ارتقاء جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ وہ بتلاتا ہے کہ بلاشبہ انسانیت کے مرتبہ تک پہونچنے کے بعد ارتقاء جسمی تو ختم ہو جاتا ہے لیکن، اس کے بعد ایک ارتقائے روحانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور جسم حیوانی کو انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن

وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (۵۸ : ۱۱)

لوگوں نے علم حق حاصل کیا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کے مدارج کو ترقی دیتا ہے اور ارتقار بخش ہے۔

ارتقار انسانی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان والقان ترقی کرے اور اللہ کی ولایت اور دوستی اپنے اونچے مرتبوں اور مقاموں تک بلند ہو جائے۔

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (۳۵ : ۱۱)

کلمات طیبہ اور عمل صالح اللہ ہی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور وہ عمل صالح کرنے والوں کو ارتفاع بخش ہے۔

کلم الطیب سے "سے مقصود ایمان باللہ ہے اور عمل صالح سے مقصود انسان کے وہ تمام کام جو صحت و اصلاح اور عدل و حقیقت کے مطابق ہوں، فرمایا کہ ایمان باللہ صعود کرتا ہے اور بلند ہوتا ہے اور عمل صالح کو خدا اونچے درجوں تک لے جاتا ہے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے محبت الٰہی کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیا تھا خدمت خلق کو انھوں نے اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا، اس کا صلہ "ارتقار روحانی" کی شکل میں اُن کو ملا اور یہ "ارتقار روحانی" انسانیت کی تکمیل تھی۔

(تاریخ مشائخ چشت)

وحدت الوجود اور مارکسزم

(پروفیسر محمد حبیب صدر شعبہ تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

تصوف کی بنیاد وحدت الوجود پر ہے۔ قرون وسطیٰ کے مشائخ کی طرح ہمیں اس کے بیان کرنے اور سمجھانے میں تامل نہ کرنا چاہیئے بلکہ مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر ضرورت اس کی ہے کہ اس کے بنیادی تصورات کو اسکولوں کی کتابوں میں بیان کیا جائے۔ مسلمانوں کے لیئے اس نظریے کی مذہبی اساس قرآن کا یہ ارشاد ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

لیکن یہاں ہم وحدت الوجود کو صرف اسلامی تصوف کے ایک نظریے کی حیثیت ہی سے دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ اس کی عالمگیر حیثیت کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حیثیت جس نے اس کو پوری انسانیت کے لیئے ایک اہم نظریۂ حیات بنا دیا ہے۔

کسی ضابطہ یا اصول کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کا مقابلہ اس کے متضاد نظریہ سے کیا جائے۔ اس ضمن میں میں برکلے کے نظریۂ مثلیت (IDEALISM) کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس نظریہ نے برکلے کو عیسائی اعزاز بخشا لیکن مثلیت کو میں یورپ کی ایک ارتقائی غلطی تصور کرتا ہوں۔ موضوع بحث کے اعتبار سے میں لینن کا ذکر کرنا زیادہ موزوں خیال کرتا ہوں۔

لینن یورپ کے فلسفہ اور سائنس کی دنیا کا پورا جائزہ لینے کے بعد بالآخر مارکس کی جدلیاتی مادیت سے متفق ہو گیا۔ مادہ کا ذکر کرنا اب لاحاصل ہے مادہ تو ختم ہو چکا۔

بالفاظ دیگر سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ محض ایک ہیئت ہے جسے کوئی بھی شئے (سہولت کے لئے اُسے ہم قوت کہہ سکتے ہیں) اپنے اظہار کے لئے اختیار کر سکتی ہے۔ بہرکیف انسان اور خارجی مظاہر کی دوگونہ حیثیت برقرار رہتی ہے۔ برکلے کی غلطی کو نظر میں رکھ کر لینین انسان کو روزانہ کے حقائق کی طرف واپس بلاتا ہے، وجود میرا بھی ہے اور اس کائنات کا بھی جو میرے گرد و پیش ہے لیکن اولیت اور برتری مجھے حاصل نہیں ہے میرے گرد و پیش کو ہے۔ اشیاء کی حقیقت ان کے مظاہر سے بالکل مختلف ہے لیکن میرے مشاہدہ اور خارجی دنیا میں مطابقت کا ہونا اسی قدر ناگزیر ہے۔ میرا تجربہ اور عمل بھی مجھے اس ہم آہنگی کا پتہ دیتے ہیں کیونکہ خارجی دنیا کو تبدیل کرنے پر مجھے قدرت کامل ہے۔

وحدت الوجود کے مسئلے میں اس غلطی کی تکرار ہرگز نہیں ہے جو برکلے سے سرزد ہوئی۔ وحدت الوجود خارجی دنیا کا منکر نہیں ہے اس کا اعتراف کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بغیر تو یہ نظریہ بھی بے معنی ہو جاتا ہے " وحدت الوجود تو ایک حد تک جدلیاتی مادیت سے بھی فوقیت لئے ہوئے ہے اس کا کہنا ہے کہ موجودات کی اصل ایک ہے۔ سائنس یا تجربات کی رو سے قوت (ENERGY) کو شعور میں اور شعور کو قوت میں اس طرح تبدیل کر دینا جیسے حرارت کو بجلی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے ممکن نہیں۔ بایں ہمہ جدلیات کی اصطلاح ہی میں انسان اور خارجی شواہد میں وحدت کا موجود ہونا مضمر ہے، آدمی کے افکار سے خارجی دنیا کی ہم آہنگی بھی اس کا ثبوت ہے لینن اور اینگلز بھی اس پر زور دیتے ہیں کہ دونوں کے تطابق کو ایک امر مسلم کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ "چنانچہ وحدت الوجود کا مسئلہ جدلیاتی مادیت کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے"

وحدت الوجود ایک ایسے شعور اعلیٰ کا تصور پیش کرتا ہے جس کے دو مظاہر انسان اور خارجی دنیا ہیں۔ انسان کی اخلاقی زندگی اس میں شعور اعلیٰ سے ماخوذ ہے

فرض کر لیجئے کہ یہ شعور موجود نہ ہوتا تو دنیا ایک ہیولیٰ کی شکل میں ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بے ترتیبیوں کے باوجود دنیا منظم اور آراستہ شکل میں موجود ہے اور انسان اس کی اصلاح پر قادر بھی ہے یہ سب اس ہی شعور اعلیٰ کی وجہ سے ہے جو انسان کی قدرت کو طاقت بخش کر اس سے بناتا ہے کہ وہ ہر چیز کو متغیر کر سکے اور اسے ترتیب دیدے۔

تصوف اور انقلاب

تصوف کا اخلاقی پہلو

صوفی ہمیشہ کردار کی فضیلت پر زور دیتے تھے اور خدمت خلق کو اس فضیلت کا معیار ٹھہراتے تھے۔ بنی نوع انسان کی خدمت کے بغیر خدا پر صوفی کا ایمان ناقص رہتا تھا اس سلسلہ میں میں۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ اخلاقی زندگی انقلابی جذبے کے بغیر بالکل بے معنی ہے جو شخص میری طرح سماج کے صحیح اور غلط کے مروجہ معیار کا خیال رکھتے ہوئے بےتکلف زندگی گزار سکتا ہے، وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اخلاق کسے کہتے ہیں۔ اخلاقی زندگی کے مروج معیار کو تسلیم کر لینے سے عبارت نہیں ہے بلکہ سماجی نظام کے قیام کی خاطر مروج معیار کی مخالفت کا نام اخلاقی زندگی ہے۔

خدا خود ایک زبردست انقلابی ہے وہ خود کسی چیز کو اس حالت پر نہیں چھوڑتا ایک مشہور ہندو مقولہ میں یہ خیال اس طرح ادا کیا گیا ہے "خدا سمندر کو ہمیشہ بلوتا رہتا ہے" شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ سماجی نظام چونکہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کا اخلاقی ضابطہ بھی اس کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے حضرت عیسیٰ نے کہا تھا" میں سکون وقیام لیکر نہیں بلکہ تلوار لے کر آیا ہوں۔ اس اعلان کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ میری تعلیم گھر گھر میں ایک کشاکش پیدا کرے گی اور روایتی ٹھہراؤ کا باقی رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ خود رسول عربی نے فرمایا تھا مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں رسوم ورواج اور پرانی اقدار کو زیر وزبر کر دوں۔

ساتویں سے چودھویں صدی تک تصوف کی نوعیت ایک انقلابی ضابطہ کی سی رہی، مگر چودھویں صدی میں شاہی مراعات کے خنک سایے میں وقت کاٹنا ان کا مطمح نظر ہوگیا اور فقر و فاقہ کی زندگی عہد ماضی کی ایک داستان بن کر رہ گئی۔

صوفیہ کے ترقی پسندانہ رجحانات

(۱) صوفیہ نے ان مروج اخلاقی اور سماجی قوانین کو رد کر دیا جو ان کے روحانی مطمح نظر سے ٹکرائے۔

(۲) شخصی ملکیت کے اصول کی تمام صوفیہ نے مخالفت کی۔ بڑے بڑے صوفیہ مثلاً شیخ نظام الدین اولیاءؒ کسی کو اس وقت تک مرید ہی نہ کرتے تھے جب تک وہ اپنی ہر چیز کو بیچ کر روپیہ غربا میں تقسیم نہ کر دے۔

(۳) شخصی حکومت کی ملازمت اختیار کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ایک مرید سے خلافت نامہ صرف اس بنا پر واپس لے لیا تھا کہ اس نے اپنے کنبہ کی فاقہ زدگی کو دیکھ کر دو روز تک علاؤ الدین خلجی کے اس فرمان پر غور کیا تھا جس کی رو سے اسے اودھ کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا۔

(۴) شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جماعت خانے میں تمام لوگ ایک اشتراکی اصول پر زندگی بسر کرتے تھے، کپڑے، تسبیح، جانماز، اکل و شرب کے چند برتن اور کتابوں کے علاوہ ملکیت کا تصور کسی طرح بھی روا نہ سمجھا جاتا تھا۔ سب ایک کمرہ عام میں رہتے اور سب مل کر کھانا کھاتے تھے۔ تمام لوگ محنت مزدوری کرتے تھے۔ اور ہر شخص کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ طعام مشترک کے لئے کچھ نہ کچھ مہیا کرے۔

(۵) تمام صوفیہ عالم و فاضل ہوتے تھے۔ صوفیہ کا عوام سے گہرا تعلق ہوتا تھا کیونکہ تصوف زیردستوں اور مظلوموں کا مسلک تھا (چین کی عوامی جمہوریہ کے صدر) چیرمین ماؤ سی تنگ کا کہنا ہے کہ "کمیونزم ایک ایسا مسلک ہے جس کا منشا انسانیت کی خدمت ہے"

(۶) قرون وسطیٰ کے ادب میں عورت سے شدید نفرت کا اظہار ملتا ہے لیکن صوفیہ

نے عورتوں کے سلسلے میں ایک بالکل متضاد نظریہ اختیار کیا۔ وہ عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔

(۷) ہر جماعت خانہ میں مہمان خانہ ہوتا ہے۔ ساکنین کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ مہمان سے جا کر ملیں نشست و برخاست کے آداب ہر شخص پر سختی سے عائد کئے جاتے تھے ہر جاندار کا احترام کیا جاتا تھا۔ جماعت خانہ میں ہر قسم کی گفتگو کی اجازت تھی لیکن مناظرہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

(۸) سفر صوفیہ کی تعلیم کا نہایت ہی اہم جزو تھا۔ جس زمانہ میں منگولوں کے حملہ کی وجہ سے سفر ناممکن ہو گیا تھا اسوقت بھی صوفیہ لمبے لمبے سفر کرتے تھے۔

(۹) صوفیہ انفرادی آزادی کے بعد بھی زبردست علم بردار ہوتے تھے۔ بعض صوفیہ تو اس حد تک انفرادیت پسند تھے کہ سلسلہ کی روایات سے بھی ان کا جی اکتا گیا تھا۔ نہ انکا کوئی مرشد ہوتا تھا اور نہ کوئی مرید۔ یہ لوگ اویسی کہلاتے تھے۔

(۱۰) صوفیہ طبعاً امن پسند ہوتے تھے۔ قرآن کہتا ہے "اے رسول ہم نے تجھے انسانیت کے لئے رحم و امتنان بنا کر بھیجا ہے"۔ خود اللہ تعالٰے کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے رحم و کرم اس کا مزاج ہے"۔ چنانچہ ایک صحیح قسم کے صوفی کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہو۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا کہنا ہے کہ "درویش دوست اور دشمن دونوں کا دوست ہوتا ہے۔"

القصّہ وحدت الوجود کا مسئلہ ایک ایسا صحیح فلسفیانہ نقطہ نظر ہے جو اپنے انقلابی افتاد و رجحان کے باعث انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ دوسرے یہ کہ تصوف کی روایات ایک جیتے جاگتے ضابطہ کی حیثیت سے اس باب میں ہماری مدد کر سکتی ہیں کہ ہم ماضی اور حال کے سماجی مسائل کا صحیح انقلابی حل تلاش کر لیں اور یہ حل صوفیہ کی خدمتِ خلق کے شعار کے مطابق ہو (تخلیص من تاریخ مشائخ چشت)

سید صباح الدین ایم۔اے

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح

ہندوستان کے اسلامی دور میں دو قسم کی بادشاہت ساتھ ساتھ قائم تھی۔ ایک تخت و تاج کے حکمرانوں کی اور دوسرے خانقاہ کے بوریا نشینوں کی۔ ایک توپ و تفنگ سے ممالک زیر نگیں کرتے تھے اور دوسرے اپنے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کے ذریعے انسانی قلوب تسخیر کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کا تعلق موخر الذکر سے تھا (ادارہ)

ابتدائی زندگی

بارہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا اس کی نگہبانی کرتے تھے۔ ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے۔ خواجہ معین الدین رح نے انگور کے خوشے پیش کیے۔ لیکن انھوں نے انگور نہ کھایا اور کھلی (کنجارہ) کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا۔ کھلی کا کھانا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل انوار الٰہی سے روشن ہو گیا۔ علائق دنیا سے برگشتہ ہو کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند پہنچے۔

یہاں پر آپ نے کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل میں مصروف رہے۔ سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ ہارون میں حضرت شیخ عثمانی ہارونی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا اور ڈھائی برس رہے۔ ازاں بعد اپنے پیر کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی۔ شیخ عثمانی رح نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں تو عالم غیب سے ندا آئی۔

"معین الدین دوست ماست اورا قبول کردم و برگزیدم۔"

نیا وطن

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی

حضرت شیخ عثمانی رح نے خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ اس وقت خواجہ صاحب کی عمر ۵۲ برس کی تھی۔

ہارون سے ہندوستان روانہ ہوئے تو راستہ میں حضرت شیخ محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی رح سے شرف نیاز حاصل کیا۔ بغداد میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین رح کی صحبت سے مشرف ہوئے اور یہیں خواجہ اوحدالدین کرمانی قدس سرہٗ سے فیضیاب ہو کر ان سے خرقہ خلافت پایا۔ بغداد سے ہمدان آئے۔ ہمدان سے تبریز پہونچے اور وہاں سے منزل بہ منزل چلتے غزنی پہونچے۔ راستہ میں کئی بزرگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور اس طرح روحانیت کے مقامات طے کرتے آپ غزنی سے ہندوستان پہونچے

حضرت خواجہ جس وقت ہندوستان آئے اس وقت شیخ علی ہجویری رح داتا گنج بخش رح کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نے ان کے مزار پر چلہ کیا اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اس شعر کی وجہ سے حضرت شیخ علی حسن ہجویری کا نام داتا گنج بخش رح مشہور ہوا۔ وہاں سے آپ ملتان آئے اور یہاں پانچ برس رہ کر سنسکرت اور پراکرت سیکھی یہاں سے دہلی اور پھر اجمیر آئے۔ اجمیر میں دسویں محرم ۵۶۱ھ میں نزول اجلال فرمایا اور آخر وقت تک یہیں قیام رہا۔ اجمیر کے قیام میں خواجہ صاحب نے دو شادیاں کیں جن میں سے ایک سید وجیہ الدین مشہدی کی بیٹی تھیں اور دوسری کسی ہندو راجا کی بیٹی جو مشرف باسلام ہو گئی تھیں۔

تاریخ وفات ۶ رجب ۶۳۲ھ ہے ایک روایت کے مطابق آپنے ۹۷ برس اور دوسری روایت کے مطابق ۱۰۴ برس کی عمر پائی۔

وارث النبی فی الہند

جب آپ اجمیر تشریف لائے تو اس وقت دہلی اور اجمیر کا حکمراں راجہ پتھورا تھا۔ اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی اور جب وہ خود ان کے مقابلہ میں

بے بس اور لاچار رہے تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا۔ لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامتوں سے اُن پر غالب رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی تعلیم سے راجہ پھتورا کے ملازمین بھی مشرف باسلام ہونے لگے۔

راجہ نے خواجہ صاحبؒ کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی تو آپ نے فرمایا "ما اورا بیروں کردیم و دادیم" یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی

سلطان شہاب الدین غوری نے حملہ کر کے راجہ پھتورا کو گرفتار کرلیا اور بالآخر وہ مارا گیا اس کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحبؒ کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔ اسی لئے خواجہ صاحب کا لقب وارث النبی فی الہند" ہے۔

روحانی فیوض

ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحبؒ کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو قطب المشائخین کا لقب کی بشارت ملی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کو ملک المشائخ سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیاء، شمس الفقرا، ختم المہتدین کے لقب سے یاد کیا ہے اور بہت سے بزرگوں نے بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے القاب لکھے ہیں۔ جن کی فہرست طویل ہے۔ خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں اور آج بھی ان کی ابدی خواب گاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے ہر گوشے کے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

تعلیمات

خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی مگر آپ کے ملفوظات کو آپ کی تصنیف سمجھ کر متن کتابیں آپ سے منسوب کی جاتی ہیں (۱) انیس الارواح (۲) رسالہ در کسب نفس (۳) دلیل العارفین

انیس الارواح میں خواجہ صاحب نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونیؒ کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل و نکات پر بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ اقوال کے ذریعے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دلیل العارفین میں خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں اور اس کتاب میں مختلف دینی مسائل وصوفیانہ رموز شریعت حقیقت طریقت۔ محبت الٰہی۔ کشف و کرامت وغیرہ پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے اور کنائے ہیں جن کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے نزدیک اہل سلوک کا ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالےٰ کا ایک خاص اخلاق ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیئے۔ صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو۔

جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہونچے گا۔ جس کا نام طریقت ہے اور جو اس میں ثابت قدم رہے گا معرفت کا درجہ حاصل کرے گا اور جب اس میں بھی پورا اُترے گا تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا غرضکہ خواجہ صاحبؒ نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔ (ماخوذ) (بزم صوفیہ)

خاص مضمون

آستانۂ عالیہ پر حاضری

خواجہ صاحب کی درگاہ ہندوستان کے اُن مقدس مقامات میں سے ہے جہاں ہندوستان کے بڑے بڑے بادشاہوں کا سرِ نیاز خم ہوا ہے لیکن ہم یہاں مسلمان سلاطین یا مغل بادشاہوں اور مسلمانوں کی عظیم شخصیتوں کے جذباتِ عقیدت پیش کرنا نہیں چاہتے بلکہ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے غیر مسلم سیاسی لیڈروں اور علمی شخصیتوں نے جو تاثرات آستانہ کی حاضری کے بعد ظاہر کئے پیش کر رہے ہیں۔

گاندھی جی کے تاثرات

۱۹۲۲ء میں مہاتما گاندھی اجمیر وارد ہوئے۔ درگاہ شریف برابر جاتے رہے جب تک اجمیر میں قیام رہا۔

اپنی عام تقریروں کے علاوہ نجی محفلوں میں بھی اپنے تاثرات کا اظہار کرتے اور کہتے کہ لوگ اگر سچے جذبے کے ساتھ خواجہ صاحب کے دربار میں جائیں تو آج بھی اُن کے باطن کی بہت سی خرابیاں ہمیشہ کے لئے ناپید ہو سکتی ہیں اور آدمی اپنے اندر غیر معمولی قوت کا ادراک کر سکتا ہے۔

گاندھی جی نے کہا کہ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ لوگ عام طور پر صرف دنیوی مقاصد لے کر خواجہ صاحب کے پاس جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اُن کی پوری زندگی اندر کی تعلیم دیتے گزری۔ انھوں نے روح کی روشنی کو باقی رکھنے کے لئے جو پیغام دیا اُسے کوئی نہیں سُنتا۔ نہیں تو یہ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کی بات کیوں کرتے؟
خواجہ صاحب نے تو سچائی کے ہتھیار سے لوگوں کا من جیت لیا، ان کی زندگی میں عدم تشدد کا

صاف مظاہرہ تھا۔ افسوس ہم لوگ ان کی زندگی کو اپنے لئے آدرش نہیں بناتے۔

بابا نانک کی عقیدت

بابا گرو نانک نے اسلامی مقامات مقدسہ کے سفر کے لئے جب قدم اٹھایا تو سب سے پہلے حضرت خواجہ بزرگ کے آستانے پر بکمال عقیدت حاضر ہوئے اور مسلسل کئی روز مقیم رہے اور مراقبہ کرتے رہے اور حضرت خواجہ کی زندگی اور تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا۔ اپنے تاثرات کا خود انھوں نے ذکر بھی کیا ہے۔

چنانچہ بابا صاحب کے ماننے والے آج بھی اس آستانہ پر عقیدت کے ساتھ سر نیاز خم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کا خراج تحسین

ڈاکٹر رادھا کرشنن، بین الاقوامی شہرت رکھنے والے فلسفی اور مفکر ہیں اور ہندوستان کے وائس پریزیڈنٹ، آپنے درگاہ خواجہ صاحب میں حاضر ہوکر تصوف پر علمی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ جب انسان پر خود اپنے وجود کے اسرار منکشف ہوجاتے ہیں تو اس کا کردار بے لچک ہوجاتا ہے۔ ایک شخص اپنی انفرادی حیثیت میں رہ کر انبوہ در انبوہ انسانوں سے وہ سب کچھ براہ راست منوا لیتا ہے جو اس کی زندگی کا مشن ہوا کرتا ہے ـــــ صوفیوں نے خود شناسی کے اس طریقہ کو اپنا کر ہمیشہ دنیا میں ایک صالح نظام زندگی کی طرح ڈالی ہے۔ خواجہ صاحب نے بھی اپنے تفکر کی گہرائیوں سے متاثر کرنے کی بے پناہ قوت کا خزانہ نکال لیا اور بظاہر غیر محسوس طریقے سے ماحول کا نقشہ بدل ڈالا۔

ہمیں زندگی کی پوشیدہ قدروں کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ داخلی طور پر سکون اور خارجی طور پر سلامتی و امن کی ضمانت ہوسکے۔

وزیر اعظم نہرو کے جذبات

جواہر لال نہرو ۱۹۴۵ء میں اجمیر گئے تو خواجہ صاحب کے آستانہ پر بھی حاضری دی، ایک

گھنٹہ تک سر جھکائے قوالی سنتے رہے اور اندرونِ گنبد شریف آنکھیں بند کئے خاموش کھڑے رہے۔

آزادی کے بعد بحیثیت وزیر اعظم، ہنگامی حالات، میں پھر حاضر آستانہ ہوئے اور تقدیس درگاہ پر دو گھنٹہ تک تقریر کرتے رہے۔ یہ بھی ظاہر کیا کہ دنیا کے مختلف حصوں سے خواجہ صاحب کی درگاہ کی حفاظت اور احترام سے متعلق ہزاروں تار اور خطوط مجھے موصول ہوئے ہیں۔ اس سے قطع نظر میں پوری ذمہ داری کیساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس مقدس درگاہ کی حفاظت ہر قیمت پر کی جائے گی اور اسکے تقدس اور احترام پر آنچ نہ آنے دی جائیگی۔

آل انڈیا کانگریس کے سالانہ سیشن اجمیر میں پنڈت جی نے بحیثیت صدر کانگریس شرکت کی تو ایک بار پھر حاضری کا شرف حاصل کیا۔ وجے لکشمی جو اس وقت یو۔ این۔ او کی صدر بھی تھیں اپنے بھائی کے ساتھ حاضر ہوئیں۔ اس موقع پر پنڈت جی کے سر پر سرخ دستار باندھی گئی۔ درگاہ شریف سے واپسی پر اپنی کھلی ہوئی موٹر میں دستار اتارنے لگے تو وجے لکشمی نے کہا: "باندھے رہیے آپ تو دولھا معلوم ہوتے ہیں"

اور دو میل اپنی قیام گاہ تک بڑے احترام کے ساتھ پنڈت جی دستار باندھے رہے۔ اور

پنڈت جی نے قیام گاہ پہنچکر بطور نذر ایک معقول رقم پرائیوٹ سکریٹری کے ساتھ بھیجی۔

راجگوپال اچاریہ کے تاثرات

حصولِ آزادی کے بعد پہلے ہندوستانی گورنر جنرل اور ہندوستان کے عظیم مفکر اور مایۂ ناز سیاس راجہ گوپال اچاریہ جب حضرت خواجہ صاحب اجمیر کے آستانہ پر حاضر ہوئے اور روایتی طور پر درگاہ شریف کے تبرکات انھیں دیے گئے تو راجہ جی نے آبدیدہ

ہو کر اپنے جذبات عقیدت کو اس طرح ظاہر کیا کہ :۔

"انسانی جوہر کو درخشندہ تر بنانے کے لئے عظیم روحانی شخصیتوں نے جو طریقہ اختیار کیا اس میں محبت کی نگاہ، سلامتی کی زبان، اور کردار کی روشنی کو ہمیشہ دخل رہا ہے۔

خواجہ صاحب کی زندگی اور ان کی تعلیمات میں یہ خصوصیتیں بڑی اہم پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے سچائی کی راہ اپنے لئے متعین کر لی تھی اور اسی راہ پر چلنے کے لئے ان کی آواز بلند ہوئی جسے سن کر ہر شخص عرفان حق کے راز کو پا گیا۔

اگر ہم اس طرح کی عظیم ہستیوں کے نقشِ قدم کو دلیل راہ بنالیں تو انسان میں باہمی تفرقہ کی جو وبائیں پھیل جاتی ہیں ان سے انسانیت ہمیشہ کو محفوظ ہو جائے۔

میں جانتا ہوں کہ ایک اور بزرگ خواجہ حمید الدین کی پاک قبر ناگور (مدراس) میں مرجع خلائق ہے۔ ایسی اعلیٰ ہستیوں نے فلاح و خیر سے لبریز مقاصد کے حصول کے لئے دنیا کے ہر گوشہ کو منور کیا ہے۔

بطور تبرک اس مقدس آستانے سے جو تسبیح مجھے دی گئی ہے زندگی کے آخری لمحات تک وہ میرے ساتھ رہیگی، اور اس کے فرحت بخش استعمال کو اپنے معمولات میں داخل رکھونگا۔"

پنڈت سندر لال الہ آبادی کی عقیدت

ہندوستان کے مشہور مفکر، ادیب اور بلند پایہ خطیب پنڈت سندر لال نے خواجہ معین الدین اجمیری صاحبؒ کی ذات گرامی پر عقیدت کے آنسو بہاتے ہوئے ایک طویل تقریر کی جس میں کہا کہ غریب نواز رحؒ نے محبت کی بنیاد پر اپنے فکر و عمل کی جو عمارت تعمیر کی وہ ایک مضبوط قلعہ بنکر اپنی گود پھیلائے آج بھی بھٹکے ہوئے لوگوں کو پکار پکار کر پناہ پناہ کی دعوت دے

رہی ہے، کیا اچھا ہو کہ ہم یہ کہتے ہوئے اس حصار میں داخل ہو جائیں کہ

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

اچاریہ ونوبا بھاوے کی نصیحت

آزادی کے بعد آچاریہ ونوبا بھاوے نے حاضر آستانہ ہو کر باقاعدہ گاندھی جی کا جانشین بن کر اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا اور درگاہ شریف میں اپنی تقریر کے دوران خواجہ صاحب کی تعلیم کو عام کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ یہ سب سے بڑی محرومی ہوگی کہ ہم اتنی بڑی روحانی شخصیت کی قابل تقلید تعلیمات سے فیضیاب نہ ہو سکیں۔

آج کے حالات میں جبکہ اس دیس کے باسیوں نے روحانی فیضان سے منھ موڑ لیا ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ خواجہ صاحب کے ایسے مہاپرشوں کے کردار و عمل کو واضح طور پر سامنے لایا جائے، جو اس وقت بھی انسانی ذہن میں خوشگوار انقلاب لا سکتا ہے اور زندگی کو نشیب سے فراز کی طرف لے جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد کے جذبات

پریزیڈنٹ جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجیندر پرشاد نے درگاہ شریف میں اپنی تقریر کے اندر کہا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ خواجہ صاحب نے محض اپنے کردار کو مثال بنا کر پیش کر دیا۔ ان کی خاموش زندگی کا یہ پہلو انسانوں میں اچھائی پیدا کرنے کے لئے بہت کافی ثابت ہوا۔

خواجہ صاحب کی زندگی روشنی کا بلند مینار تھی جس نے دور دور تک اجالا پھیلا دیا۔ یہ روشنی تاریک دلوں میں اس طرح اتر گئی اور پوری زندگی کو جگمگا دیا کہ دنیا حیران رہ گئی۔

چاہیئے کہ ہم بھی روشنی کے اس مینار سے شعاعیں مانگ لیں اور اپنی ہستی کے تمام پہلوؤں کو منوّر کر لیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد کی عقیدت

مہاراجہ سر کشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد دکن متعدد بار انتہائی نیاز مندی کے ساتھ خواجہ صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

خواجہ صاحب کی روحانیت سے مہاراجہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب گنبد شریف میں جاتے تو ان پر وجد وحال کی عجیب کیفیت طاری ہوجاتی۔ انھوں نے فارسی اردو اور ہندی میں کئی منقبتیں کہی ہیں جو بیحد مقبول ہوئی ہیں

مہاراج کی زندگی پر خواجہ صاحب کی عظمت کا رنگ اس درجہ غالب ہوگیا تھا کہ انھوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام خواجہ پرشاد رکھا۔

مہاراجہ خود جہ صاحب کے حضور بلند آواز سے آیات قرآنی تلاوت کرتے اور باقاعدگی کے ساتھ ایصال ثواب کرتے تھے۔ رات کو پچھلے پہر حاضر آستانہ ہوکر مراقب ہونا ان کے معمول میں داخل تھا۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد نے آستانہ پر مورچھل جھلنے کی خدمت بھی انجام دی اور اس موقع پر یہ رباعی کہی ہے

مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی شاد کو دنیا کی عزت مل گئی
بارگاہِ خواجۂ اجمیر سے وہ کلید گنج قسمت مل گئی

مسلمان سلاطین

ان کے علاوہ مسلمان سلاطین میں سب سے پہلے سلطان شہاب الدین غوری نے سنہ ۵۸۹ھ میں شرف قدمبوسی حاصل کیا اور بعض تذکروں کے مطابق مریدی کا شرف بھی حاصل کیا۔ اسی طرح سنہ ۶۱۵ھ میں سلطان شمس الدین التمش حاضر دربار ہوا

۸۵۹ھ میں سلطان محمود خلجی اجمیر آیا اور روضہ مبارک کا طواف کیا اور ایک مسجد (صندل خانہ) تعمیر کرائی۔ ۸۹۶ھ میں سلطان محمد خان سنہ ۹۳۱ھ میں شہزادہ بہادر خاں سنہ ۹۵۱ھ میں شیر شاہ سوری اور سنہ ۹۶۹ھ میں جلال الدین اکبر اجمیر آیا اور پھر

سنہ ۹۷۵ھ میں پیادہ پا حاضر آستانہ ہوا اور اس طرح بارہا آگرہ سے اجمیر آتا اور آستانہ کی حاضری دیتا رہا۔ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی اور لنگر خانہ جاری کیا۔ سنہ ۱۰۳۲ھ میں سلطان نورالدین جہانگیر پیادہ پا اجمیر پہونچا۔

حلقہ بگوشی کا شرف

تزک جہانگیری میں سنہ ۹ جلوس کی حاضری آستانہ کے متعلق خود جہانگیر نے اپنا یہ واقعہ لکھا ہے کہ

علالت کے زمانہ میں یہ بات میرے دل میں آئی کہ جس طرح باطنی طور پر میں خواجہ بزرگؒ کا معتقد اور حلقہ بگوش ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میری ہستی ان ہی کی دعا کا طفیل ہے اس لئے صحتیاب ہو کر کھلم کھلا (علانیہ) بھی اپنے کانوں میں دُرِ غلامی پہنکر اُن کا حلقہ بگوش ہو جاؤنگا۔ چنانچہ ماہ رجب میں میں نے کانوں میں سوراخ کر کے ایک ایک دانہ مروارید آبدار درخشاں کانوں میں پہن لیا۔ اہل دربار نے بھی دُر (موتی) لیکر اپنے کانوں میں پہنے۔ رفتہ رفتہ یہ رسم عام ہو گئی۔

سلطان شہاب الدین شاہ جہاں بھی اپنے ۳۱ سالہ دور حکومت میں ۵ بار حاضر آستانہ ہوا۔ اسی طرح سلطان محی الدین اورنگ زیب بھی سنہ ۱۰۶۹ھ میں آستانہ خواجہ پر حاضر ہوا سنہ ۱۹۰۷ء میں شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں نے آستانے کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں پہلی بار میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد دکن نے آستانہ پر حاضری دی۔ غرضکہ ہندوستان میں یہی ایک ایسی درگاہ ہے جہاں ہر مذہب و ملت کے اکابر و صغار اپنا سر نیاز خم کرتے ہیں جہاں مذہبی رہنما اور سیاسی لیڈر سب نے حاضری دی ہے اور ہندوستان میں سب فرقوں کے لوگ جس کثرت سے اس آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں شاید ہی کسی دوسرے آستانے پر گئے ہوں۔ اس لئے اگر ہندوستان کے مشہور (انگریز) وائسرائے لارڈ کرزن نے اس عام مقبولیت اور عقیدتمندی کو دیکھ کر یہ کہا کہ "میں نے ایک قبر کو ہندوستان میں شہنشاہی کرتے دیکھا" تو بالکل صحیح کہا۔

علامۃ الہند حضرت
مولانا معین الدین اجمیریؒ

اولیاء اللہ کا دِل

محبت کی آگ کا آتش کدہ

حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "دلیل العارفین" سے آپ کے ملفوظات طیبات نقل کئے جاتے ہیں جس میں حضرت قطب صاحب نے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔

(۱) "عاشق کا دل محبت کی آگ کا آتش کدہ ہے"۔ (سوائے حق) جو اس کے دل میں آتا ہے وہ جل کر خاکستر و ناپید ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آتش محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آگ نہیں ہے۔

(۲) چھوٹی چھوٹی ندیوں اور نہروں سے جب پانی بہتا ہے تو اس کا شور سنائی دیتا ہے لیکن جب وہ دریا سے جاکر مل جاتی ہیں تو پھر ان کا شور باقی نہیں رہتا۔

(۳) میں نے شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے حق تعالےٰ کے ایسے دوست (بھی) ہیں کہ اگر ایک لمحہ دنیا میں غفلت کا پردہ ان پر پڑ جائے تو وہ نیست و نابود ہو جائیں۔

(۴) میں نے اپنے پیر و مرشد شیخ عثمان ہارونی سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جس میں یہ تین خصلتیں ہوں سمجھ لو کہ حق تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اول اسمیں سخاوت ہو جیسے دریا کی ہے دوم شفقت ایسی ہو جیسا کہ آفتاب کی ہے

سوم تواضع و فروتنی ایسی ہو جیسے زمین کی ہے۔

(۵) نیک کام کرنے سے نیک صحبت اچھی ہے اور برے کام سے بدوں کی صحبت بری ہے۔ تشریح (یعنی نیک صحبت و بد صحبت نیکیوں اور بدیوں کا اصلی منشار اور سبب ہیں۔ اس وجہ سے نیکی اور بدی سے نیک صحبت اور بد صحبت کا درجہ زیادہ ہے)

(۶) فرمایا کہ توبہ میں ثابت قدم مرید وہ ہے کہ بائیں جانب کا فرشتہ (یہی اعمال بد لکھتا ہے) بیس سال تک اس کا کوئی گناہ نہ لکھنے پائے۔ تشریح (مطلب یہ ہے کہ اس دراز عرصہ تک اس سے کوئی گناہ صادر نہ ہو جب گناہ ہی صادر نہ ہوگا تو وہ کیا لکھے گا) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس ملفوظ مبارک کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:۔

"عرضہ میدارد محرر ایں سطور کہ ایں سخن را بعضے اکابر متقدمین نیز نقل کردہ اند۔ و حقیقت معنی ایں سخن چنانچہ بعضے از متاخرین از علمائے صوفیہ فرمودہ اند آنست کہ توبہ و استغفار ملازم حال مرید است و کتابت گناہان باوجود توبہ و استغفار صورت نہ بندد۔ نہ آنکہ اصلاً گناہ از وے بوجود نیاید۔ لہذا وصیت کردہ اند بالتزام ورد استغفار نزد خواب رفتن تا کتابت گناہان روز کہ بجریان عادت رحمت الٰہی تا ایں وقت موقوف ماندہ است بظہور نیاید۔

ترجمہ:۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اس کلام کو بعض متقدمین سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس کلام کی اصل حقیقت بعض متاخرین نے (جو علماء صوفیہ میں سے ہیں) اس طرح ظاہر کی ہے کہ مرید کے لئے توبہ و استغفار ایک لازمی اور ضروری چیز ہے (گناہ کرے تو کم از کم اس سے توبہ استغفار ضرور کرے) اور توبہ و استغفار کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ بالکل گناہ اس سے صادر نہ ہو۔ اسی وجہ سے (حضرات صوفیہ نے) وصیت کی ہے کہ سوتے وقت انسان ورد استغفار

کو اپنے اوپر لازم کرے کہ عادت الٰہی اس حکمت
کی بنا پر جاری ہے (اور بعض روایات میں یہ وارد
بھی ہوا ہے) کہ دن کے گناہ وقت خواب تک
لکھے نہیں جاتے۔

اسی مضمون کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب ادا کیا ہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ؛ عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش ؛ کس نتواند کہ بجا آورد

(۷) حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے حضرت خواجہ بزرگؒ نقل فرماتے ہیں
کہ اس کی ذات میں عالم فانی کی علامات و نشانیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے

تشریح (مطلب یہ کہ وہ ذات حق میں فنا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اپنے فنا ہونے کا شعور بھی اس کو باقی نہیں رہتا۔ پہلا مقام فنا کا ہے اور دوسرا فناء الفناء کا۔ عارف رومی نے اپنی مثنوی میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

تو در گم شو وصال ایں است و بس ؛ گم شدن گم کن کمال ایں است و بس

(۸) نشان محبت یہ ہے کہ اطاعت کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے خوف کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مخفی سبب کی وجہ سے) وہ اپنے قرب سے محروم کر دے۔

(۹) عارفوں کا ایک مقام ایسا ہے کہ جب اس مقام تک پہنچتے ہیں تو تمام جہاں اور جو کچھ جہاں میں ہے وہ ان کی اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھ لیتے ہیں۔ تشریح (حدیث شریف میں ہے کہ تمام جہاں حق تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے اور وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے پلٹتا رہتا ہے۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی ذات میں فنا ہو جاتے ہیں ان پر تجلیات ربانی کا عکس پڑتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کا

میں اس کا ہاتھ بنجاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے پکڑتا ہے۔ پس کیا عجب ہے کہ جب کثرت عجیب ہے کہ جب کثرت عبادت وذکر سے حق تعالیٰ بندہ کا ہاتھ بنجاتا ہے تو گویا اس کی انگلیوں پر بھی اس کی انگلیوں گو بموجب حدیث شریف ظہور ہو گیا اور صفت الٰہی کا جلوہ بندہ کو اپنی انگلیوں میں نظر آنے لگا۔

(۱۰) عارف وہ ہے کہ جو چاہتا ہے اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اور جو بات کرتا ہے اس کا جواب غیب سے سنتا ہے۔ تشریح یہ مقام تسلیم ورضا ہے یعنی جب بندے نے اپنی مرضی حق تعالیٰ کی مرضی میں گم اور فنا کردی اور ہر ایک معاملہ میں اس نے اپنی مرضی کو حق تعالےٰ کی مرضی کا تابع بنادیا تو اس کی مرضی وہی ہوگی جو حق تعالےٰ کی مرضی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی کا تابع بنا دیا تو اس کی مرضی وہی ہوگی جو حق تعالیٰ کی مرضی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضیات جن کے ساتھ اس کا ارادہ متعلق ہو گیا ہے سب پوری ہوتی ہیں تو یہی اس بندہ کی مرضی کا پورا ہونا ہے جس نے اپنی جملہ مرضیات کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنادیا ہے، کیونکہ وہ دوسروں کی طرح اپنی مستقل مرضی نہیں رکھتا ایسہ صورت میں اندیشہ ہے کہ اس کی بعض مرضیات پوری ہوں اور بعض پوری نہ ہوں کیونکہ بندہ بندہ ہے کہ خدا اور باوصف بندہ ہونے کے اپنی مستقل مرضی رکھتا ہے تو ایسی صورت میں ضرور ہے کہ اس کی بعض یا اکثریت مرضیات پوری نہ ہوں۔ لیکن جس بندہ نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں گم کر دیا ہے۔ (اور یہی بندہ وہ ہے جو کہ عارف ہے) تو اس کی تمام مرضیات پوری ہوں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دعْ نفسکَ وتعَالْ (ترجمہ) اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے اور پھر آ اور تماشا دیکھ کے کیا ہوتا ہے۔ حضرت خواجہؒ کا یہ ارشاد اسی حدیث کی شرح ہے)۔

(۱۱) فرمایا کہ محبت الٰہی کے بارے میں ادنیٰ درجہ عارف کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے صفات اس میں جلوہ گر ہونے لگیں۔ تشریح (انسان حق تعالیٰ کا مظہر ہے جس قدر یہ مظہر (آئینہ) صاف ہوگا اتنی ہی صفائی کے ساتھ حق تعالیٰ کے صفات اس میں جلوہ گر ہوں گے۔ جیسے شیشہ و آئینہ جتنا صاف ہوگا اتنا ہی صفائی کے ساتھ انسان کے خدوخال اس میں نظر آئیں گے

اور جس طرح شیشہ یا آئینہ کے صاف نہ ہونے کی وجہ سے چہرہ صاف نظر نہیں آتا اسی طرح خواہشات نفسانی کے زنگ سے دل کا آئینہ مکدر ہو جاتا ہے اور صفات الٰہیہ اس میں جلوہ گر نہیں ہوتیں حضرات صوفیائے کرام سب سے بیشتر اس انسانی آئینہ کو صاف کرتے ہیں اور خواہشات نفسانیہ کے نقش مٹا کر اس کو جلا دیتے ہیں تاکہ صفات الٰہیہ کا اس پر عکس پر تو پڑے۔ حدیث شریف دع نفسك وتعالیٰ کی ایک یہ بھی تاویل و تفسیر کی گئی ہے اور اس مطلب کی بھی اس میں گنجائش ہے حضرات خواجہ کا یہ مبارک ملفوظ اسی مطلب کا بیان و تفسیر ہے۔

(۱۲) فرمایا کہ ہم مجاہدہ و ریاضت میں رہے ہم کو سوائے ہیبت حق کچھ حاصل نہ ہوا تشریح (مطلب یہ کہ جو حاصل ہوا یعنی ہیبت حق یہ سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے۔ حق تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ اللہ اس کا سزاوار ہے کہ اس سے تم خوف کرو)۔

(۱۳) فرمایا کہ گناہ تم کو اس قدر ضرر نہیں پہونچاتا جس قدر مسلمان کی بے حرمتی (بے عزتی) اور اس کو ذلیل سمجھنا تمہارے لئے ضرر رساں اور نقصان پہونچانے والا ہے۔ تشریح (حجۃ الوداع) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ کے سلسلہ میں صحابہ کرام سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے۔ صحابہ یہ سوال سن کر خاموش رہے اس خیال سے کہ شاید حضور اس ماہ کا نام بدل دیں۔ اس وجہ سے ادباً اس ماہ کا نام نہیں لیا اور سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ یعنی خدائے تعالےٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ ماہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ سب صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ بیشک ماہ ذی الحجہ ہے پھر فرمایا یہ کونسا دن ہے اس پر بھی سب صحابہ خاموش رہے اور خدائے تعالےٰ اور اس کے رسول کے علم پر معاملہ کو محول کر دیا آپ نے فرمایا کہ یہ یوم النحر (عید الضحیٰ) نہیں ہے؟ سب نے عرض کیا کہ بیشک یہ روز عید ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا خون و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک

اس ماہ اس دن کی طرح لائق احترام اور لائق عزت ہے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس ماہ اور اس دن کے احترام سے بھی بڑھکر ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس ماہ اور دن کے ساتھ کعبہ کو بھی شامل کیا ہے۔ پس جب ایسے متبرک ماہ اور دن اور کعبہ کے برابر یا ان سے بڑھکر مسلمان کی آبرو اور جان ہے تو اس کی عزت کے درپے ہونا یا اس کو ذلیل سمجھنا کتنا بڑا گناہ ہونا چاہیے۔

(۱۴) فرمایا کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے۔ تشریح (یعنی ہر لحظہ اور ہر دم عبادت مولے سبحانہ اور اس کے ذکر میں مشغول ہونا) غرض کوئی سانس ذکر لسانی ہو یا قلبی۔ اہل معرفت کسی سانس کو ضائع نہیں جانے دیتے اور ہر ایک سانس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتی ہیں کہ

یذکر اللّٰہ تعالیٰ فی کل احیانہ یعنی حضور اکرم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا کرتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ عامۃ مومنین اس کے مکلف نہیں ہیں ان کے لئے چند اوقات عبادت کے لئے بلحاظ ان کی آسانی کے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اہل معرفت اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھاتے وہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔

کتاب المنح المدنیۃ فی مختارات الصوفیہ میں ہے۔

واجمعوا علی تعجیل الصلوات وھو الافضل عندھم مع الیتقن بدخول الوقت ویرون تعجیل اداء جمیع المفروضات عند وجوبھا ولا یرون التقصیر والتاخیر والتفریط فیھا الا بعذر ویرون قصر الصلوۃ فی السفر الا لمن ادمن السفر منھم ولم یکن لہ مقر فانہ یتم الصلوۃ ورای ان الفطر فی السفر جائز وان الصوم افضل واستطاعتہ

ترجمہ:۔ صوفیہ کرام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ نماز پہلے وقت میں پڑھی جائے اور یہی ان کے نزدیک افضل ہے بشرطیکہ دخول وقت کا یقین ہو جائے۔ اسی طرح تمام مفروضات میں ان کا خیال ہے کہ ان کے واجب ہوتے ہی بغیر کسی قسم کی تاخیر و کوتاہی و کمی کے انکو ادا کرنا چاہیئے۔ البتہ کوئی عذر ہو تو مضائقہ نہیں ہے سفر میں قصر ان کے نزدیک جائز ہے لیکن اس

الحج عندهم تكون باي وجه من اوجه الامكان فلا يشترطون زادا ولا راحلة ۔

اس حالت میں بھی روزہ رکھنے کو افضل کہتے ہیں۔ حج کی استطاعت ان کے نزدیک توشہ اور سواری میں منحصر نہیں ہے بلکہ جس طریق سے ادائے حج کا امکان ہو وہاں وہ استطاعت حج مانتے ہیں (خواہ پیدل ہی سہی بشرطیکہ کسی شخص میں پیدل چلنے کی قوت ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے اپنے لئے فعل عزیمت ہی اختیار کیا ہے اور فعل رخصت دوسروں کے لئے چھوڑا ہے۔ عبادت کے لئے گو اوقات معین ہیں۔ لیکن وہ اصلی عبادت اسی کو سمجھتے ہیں جس میں تمام اوقات گھر جائیں اور ایک سانس لینے کا وقت بھی باقی نہ بچے۔ حضرت خواجہ خواجگان چونکہ سرگروہ اہل معرفت ہیں انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق عبادت پاس انفاس کو قرار دیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تقلید کی کہ کوئی وقت عبادت سے خالی نہ بچے۔

(۱۵) فرمایا کہ حق تعالیٰ کے شناخت کی علامت مخلوق سے پہلو تہی ہے اور معرفت کی باتوں میں خاموشی۔

(۱۶) فرمایا کہ انسان اس وقت تک عارف نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے نفس کی معرفت سے بے خبر نہ ہو جائے (یہ بھی حدیث شریف دع نفسک وتعال کی ایک تشریح ہے)

(۱۷) فرمایا کہ عارف وہ شخص ہے کہ جو کچھ سوائے حق کے ہو اس کو دل سے نکال دے تاکہ حق تعالیٰ کا خالص یکتا دوست بن جائے جس طرح ذات حق یکتا رہ جائے۔

(۱۸) فرمایا کہ شقاوت و بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ گناہ کرے اور یہ امید رکھے کہ مقبول ہو جاؤں گا۔

(۱۹) عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ خاموش ہو اور اس کے چہرے پر غم کے آثار ہوں۔

(۲۰) فرمایا کہ جس نے نعمت پائی سخاوت کی بدولت پائی۔

(۲۱) فرمایا کہ درویش وہ ہے کہ جو بندہ اس کے پاس حاجت لیکر آوے اس کو بالکل محروم نہ لوٹائے۔ تشریح (یعنی دینے کی مقدرت ہو تو دیدے خواہ کل یا بعض) یہ نہ ہو سکے تو اس کی تسکین دینے والی بات سنا دے۔ یہ درحقیقت ایک حدیث شریف کا مضمون ہے

سے کچھ نہ بن پڑے تو اچھی بات کہہ کر ہی اس کو خوش کر دے۔

(۲۲) فرمایا کہ محبت کی راہ میں عارف وہ ہے کہ جس نے دونوں جہاں سے تعلق قطع کر لیا ہو اور اس کا دل بجز یاد مولائے سبحانہ کہیں بھی نہ لگے۔ تشریح اس مضمون کے متعلق یہ شعر کسی نے خوب کہا ہے ؎

از بہرِ وصالِ تو زِ ہر چیز گذشتیم
خواہی نہ اگر وصل از و نیز گذشتیم

(۲۳) فرمایا کہ عزیز و محبوب ترین چیز دنیا میں یہ ہے کہ چند درویش باہمی انس و محبت کے ساتھ مل جل کر بیٹھیں اور بدترین چیز یہ ہے کہ درویش درویش سے علیحدگی اختیار کرے۔ بس سمجھ لینا کہ یہ درویش علت سے خالی نہیں (یعنی ضرور کسی نہ کسی بدنیتی نے راہ پائی ہے)۔

(۲۴) فرمایا کہ حقیقی متوکل وہ ہے کہ مخلوق کی جانب سے جو اذیت و رنج پہونچے اس کا کوئی اثر نہ لے نہ اس کی کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

(۲۵) فرمایا کہ جو انسان جسقدر معرفت میں زیادہ ہوگا۔ اسی قدر زیادہ متحیر ہوگا۔

(۲۶) عارف کی نشانی یہ ہے کہ وہ موت کو دوست رکھتا ہے اور اس کو سوائے ذکر مولائے سبحانہ کسی چیز سے چین و آرام نہیں ملتا۔

(۲۷) حق تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں یہی ہے کہ اس کی تجلیات کا عکس بندہ پر پڑے۔

(۲۸) فرمایا کہ اہل محبت وہ لوگ ہیں کہ بغیر استاد کے واسطہ کے دوست (حق) کا کلام سنتے ہیں۔ تشریح (یہ حضرات واصل الی اللہ ہوتے ہیں جن کو فنا فی اللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اب مرشد کے واسطے کے محتاج نہیں رہتے لیکن آغاز محبت میں اور کمال حاصل ہونے کے پیشتر واسطہ کی عموماً ضرورت ہوتی ہے)۔

(۲۹) فرمایا کہ عارف وہ شخص ہے کہ جب صبح اٹھے تو رات کی اسے خبر ہو کہ کیا گذری۔ (یہ عالم محویت و استغراق کا بیان ہے رسمی علوم کے کاملوں میں بھی یہ محویت مشاہدہ کی گئی ہے اہل معرفت

کا درجہ تو بہت بلند ہے)

(۳۰) فرمایا کہ انسان کے لئے بہترین وقت وہ ہے جس میں اس کا دل پریشان خیالات اور وسوسہ سے خالی ہو۔

تشریح (مطلب یہ کہ اُسوقت عبادت کا لطف آتا ہے اور اُسوقت عبادت اصلی معنی میں عبادت ہوتی ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ افطار کرتے تھے تو جس قدر کھانا چاہتے تھے وہ اسی وقت کھا لیتے تھے اور اس کے بعد اطمینان سے نماز ادا کرتے اسکے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمایا میری تمام نماز کھانا ہو جائے اس سے یہ بہتر ہے کہ میرا کھانا نماز ہو جائے۔ یعنی ایسا کرنے سے کچھ کھایا کچھ نہ کھایا۔ اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تو تمام نماز کھانے کے خیال میں ادا ہو گی تو یہ نماز نہ ہوئی بلکہ سراسر کھانا بن گئی۔ اور کھانا کھاتے وقت نماز کا خیال رہا تو یہ کھانے کا زمانہ بھی عبادت میں شمار ہو گیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز کا انتظار بھی نماز کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عشاء کی نماز کے پیشتر عشا کا کھانا کھا لیا کرو۔ یہ اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تاکہ فراغت و اطمینان سے نماز ادا کی جائے۔ اور نماز کے وقت کھانے کا خیال نہ آئے۔ پہلے لوگ عبادت و نماز کے لئے اطمینان و فراغت کا وقت نکالتے تھے۔ اور آج کل کے حضرات کھانے کے لئے اطمینان و فراغت کا وقت نکالتے ہیں اور نماز و عبادت کو ایک بیگار سمجھ کر جلدی جلدی جس طرح بن پڑتا ہے ادا کر لیتے ہیں اور پھر اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں کیونکہ ان کا مقصود کھانا ہے اور پہلے لوگوں کا مقصود نماز و عبادت تھی ہر ایک اپنے مقصود کے لئے فراغت کا وقت نکالتا ہے۔

(۳۱) حضرت کے اس ملفوظ بیان کرنے سے پیشتر ایک تمہید کی ضرورت ہے ارباب سلوک کی اصطلاح میں بندہ کے علم کو معرفت کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم کو علم سے تعبیر کرتے ہیں ان کی یہ اصطلاح لغت کے قریب قریب ہے لُغت میں معرفت عبارت ہے جزئی

امور یا حالات کے جاننے سے۔ اور علم عبارت ہے کلی امور یا حالات کے جاننے سے چونکہ حق تعالیٰ کا علم محیط اور کلی ہے۔ اس وجہ سے اس کے جاننے کو صوفیہ کرام علم کہتے ہیں۔ اور بندہ خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم جزوی اور محدود ہے اس وجہ سے اس کے علم کو معرفت کہتے ہیں۔ اس کے جاننے کو وہ علم سے تعبیر نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ کامل انسان کو عارف باللہ کہتے ہیں نہ کہ عالم باللہ۔ یہی حال عرف و محاورہ کا ہے کہ خدائے تعالیٰ پر عارف کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک کہا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ اب حضرت خواجہ کا یہ ملفوظ سمجھ میں آسکتا ہے جس کو ہم بعینہٖ کتاب دلیل العارفین سے نقل کرتے ہیں

"فرمود علم بحرے است محیط و معرفت جوئے از محیط پس خدا کجا و بندہ کجا علم خدائے را است و معرفت بندہ را۔"

ترجمہ:۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ علم ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اور معرفت اس دریا کی ایک نہر یا ندی ہے۔ علم خدائے تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور معرفت بندہ کے لئے پس کہاں خدا اور کجا بندہ۔

تشریح:۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے اس ملفوظ میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اس نے اُس نزاع و اختلاف کا فیصلہ کر دیا جو عہدِ حاضر کے علماء میں جاری ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا حضور کو علم غیب تھا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ علم غیب حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہے **وَمَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا هُوَ** غیب کا علم نہیں ہے مگر حق تعالیٰ کو۔ پہلا فریق اس کے جواب میں کہتا ہے کہ قرآن کریم میں یہ بھی وارد ہے کہ **فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ** حق تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے بتانے سے اس کے رسولوں کو بھی غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں علماء تعارض دیکھ کر اس کو اپنے اپنے طریق سے دفع بھی کر دیتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ

حضرات اگر خواجۂ خواجگان کے اس ملفوظ پر غور کر لیتے تو بحث کا خاتمہ ہو جاتا کیونکہ جب علم حق تعالےٰ کے جاننے کے ساتھ مخصوص ہے تو علم غیب اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا اور یہ اس کے منافی ہرگز نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو غیب پر مطلع کیا۔ غیب پر ان کو مطلع کرنا اور چیز ہے اور علم غیب شئ دیگر، علم غیب کے لئے حسب ارشاد حضرت خواجہؒ یہ ضروری ہے کہ وہ علم کلی غیر محدود ہو اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بندہ کا علم خواہ وہ نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو غیر محدود نہیں ہے۔ لیکن علم غیب نہ ہونے سے یہ ہرگز نہیں لازم آتا کہ ان کو امور غیبیہ پر منجانب اللہ اطلاع بھی نہ تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بیان فرمائے ہیں اور یہ سب امور غیب ہیں جو حق تعالےٰ کے بتانے سے آپ کو حاصل ہوئے۔ جب دونوں باتوں میں تعارض ہی نہیں ہے تو اس کے دفع کرنے کی کیا ضرورت۔ ہر ایک اپنی جگہ پر درست و صحیح ہے اور آیات میں کسی قسم کا تعارض نہیں جس کو حق تعالےٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے وہ علم غیب ہے اور جس کو عام رکھا ہے وہ امور غیبیہ پر اطلاع ہے۔ یہ علماء عہد حاضر کی خوش فہمی ہے کہ وہ دونوں امور (علم غیب۔ غیب پر اطلاع) میں منافات سمجھ بیٹھے۔ فقہاء کرام عالم الغیب ہونے کا اطلاق کسی بندہ پر نہیں کرتے اور امور غیبیہ پر مطلع ہونا وہ اولیاء کرام تک کے لئے مانتے ہیں۔ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے۔ چونکہ فقہاء کرام و متقدمین علماء اس رمز سے واقف ہیں جو حضرت خواجۂ خواجگان نے بیان کی ہے تو وہ انبیاء اولیاء کے لئے اطلاع علی الغیب کا لفظ استعمال کرنے سے باک نہیں کرتے اور کسی جگہ عالم الغیب کا لفظ انہوں نے بجز خدائے تعالےٰ استعمال نہیں کیا۔ اس عہد کے عام علماء چونکہ اس رمز کو نہیں سمجھتے اس وجہ سے وہ افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے پہلا گروہ بالکل غیب کے جاننے تک کی نفی کر دیتا ہے خواہ انبیاء علیہم السلام ہی کیوں نہ ہوں (العیاذ باللہ منہ) دوسرا فریق اولیا کرام تک کو عالم الغیب قرار دیتا ہے ؎

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

ان دونوں فریق کو چاہئے کہ وہ اس ملفوظ مبارک پر غور کر کے اپنی اپنی اصلاح کر لیں۔ اور علم و معرفت کے فرق کو سمجھیں۔ اس فرق کے سمجھنے سے تمام جنگ و جدال کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ یہ عرفان کے علاوہ حضرت خواجہ کا تبحر علمی بھی ہے کہ ایک جملہ سے سب کچھ سمجھا دیا اور مثال دے کر اس کو خوب واضح کر دیا۔

(۳۲) فرمایا کہ اہل معرفت آفتاب کی طرح ہوتے ہیں کہ جن کی روشنی تمام جہان پر پڑتی ہے۔ اور ان کے نور سے تمام دنیا روشن ہے۔

تشریح:۔ (البتہ چمگادڑ صفت انسان اس روشنی کو نہیں دیکھتے جیسا کہ خود چمگادڑ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتی)

(۳۳) فرمایا کہ حق تعالےٰ کا قرب بغیر نماز کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیوں کہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔

تشریح:۔ (معراج اور نماز دونوں میں ایک مناسبت ہے (نیز نماز پڑھنے والا درحقیقت حق تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ نماز پڑھنے والا اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اور معراج میں بھی حق تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہمکلامی ہوئی ہے۔ پس صلوٰۃ و معراج دونوں میں ایک گونہ مشابہت ہے وہ معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی اور نماز کی معراج تمام مومنین کے لئے عام ہے)

علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری رح

(نثار خواجہ)

درگاہ کی روشنی

درگاہ حضرت خواجہ صاحب کے مراسم خصوصی میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ اذان مغرب سے قبل اندرونِ گنبد مبارک جب روشنی کیجاتی ہے تو فانوسوں کو احترام کے ساتھ سر پر رکھا جاتا ہے اور یہ منقبت پڑھی جاتی ہے:۔

خواجۂ خواجگاں معین الدین	اشرف اولیائے روئے زمیں
آفتابِ سپہر کون و مکاں	بادشاہِ سریرِ ملک یقیں
مطلعے در صفاتِ او گفتم	در عبارت بود چو دُرِّ ثمیں
اے درت قبلہ گاہِ اہلِ یقیں	بر درت مہر و ماہ سودہ جبیں
روئے بر درگہت ہمی سایند	صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں
ذرۂ خاکِ او عبیر سرشت	قطرۂ آبِ او چو مارِ معیں
خادمانِ درت ہمہ رضواں	در صفا روضہ ات چو خلدِ بریں

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

یہ تحقیق نہ ہوسکا کہ یہ منقبت کسکی لکھی ہوئی ہے۔ تذکروں میں بھی اسکا ذکر نہیں ملتا۔ اشعار جس قدر اعلیٰ تراکیب اور نفیس بندشوں سے مزین ہیں اور مضمون بھی ہر شعر کا جتنا بلند سطح کا حامل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منقبت کسی عالی مرتبت شاعر کی لکھی ہوئی ہے۔

یہ رسم زمانہ قدیم سے جاری ہے۔ ابتک یہ معلوم نہو سکا کہ چراغدان کو سر پر اٹھانیکی ابتدا درگاہ خواجہ صاحب میں کب ہوئی۔ متوسلین آستانہ کو بھی نہیں معلوم لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شہنشاہ اکبر کو حضرت خواجہ صاحب سے بے پناہ عقیدت رہی ہے۔ شاید اسی زمانہ میں جب اکبر نے اپنے محلات میں چراغ کے احترام کو رواج دیا اور خود آگ اور سورج کے آگے تکریم کرنے لگا تو الناس علیٰ دین ملوکہم کے مصداق درگاہ خواجہ صاحب میں بھی یہ رسم جاری ہوئی

شریعت اور طریقت

اکبر الٰہ آبادی جس پائے کے شاعر ہوئے ہیں اسی درجے کے حکیم و عارف بھی تھے۔ ایک طویل نظم انھیں مقامات شریعت و منازل طریقت کی شرح و توضیح ہی کہی ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں :۔

شریعت در محفلِ مصطفےٰ
طریقت عروجِ دلِ مصطفےٰ

عبارت ہے عزت شریعت میں ہے
محبت کی لذت طریقت میں ہے

شریعت میں ہے صورتِ فتح بدر
طریقت میں ہے معنیٔ شق صدر

شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب
طریقت میں حسن و جمالِ حبیب

نبوت کے اندر ہی ہیں دونوں رنگ
عبث ہے یہ ملّا و صوفی کی جنگ

انھیں کی ایک اور نظم کے دو شعر یہ ہیں ؎

ملّا پکارتے ہیں منطق کی جنگ اچھی
صوفی کا ہے ترانہ حق کی ترنگ اچھی

ملّا یہ کہہ رہے ہیں قرآن ہی سے پڑھئے
صوفی یہ کہہ رہے ہیں معنی سمجھ کے پڑھئے

تصوف اور اسلام

پروفیسر محمد حبیب ایم اے
صدر شعبۂ تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

تصوّف، قرآن کی صحیح ترین تفسیر

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تصوف اسلام سے کئی سو برس پہلے انسانی فکر میں آچکا تھا۔ داراشکوہ کا خیال صحیح ہے کہ تصوف کی اولین مستند تشریح اپنشدوں میں ملتی ہے، غور کیا جائے تو یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ ترکوں اور منگولوں کا نظریہ "آل تنگری" چینیوں کی تصور "یتاں" اور صوفیاے اسلام کا نظریہ "حق" اساسی طور پر ایک چیز ہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق صوفیہ اپنے معتقدات کی بنیاد صرف قرآن کو ٹھہراتے ہیں۔ قرآن کی تصوفانہ تفسیر ہمیں اس قدر بالغ نظر ضرور کر سکتی ہے کہ ہم دینیت اور سخن سازی کی ان گتھیوں سے بلند ہو سکیں جن میں ملاؤں کے ایک طبقہ نے اس کو الجھا رکھا ہے۔ قرآن کی جو تشریح تصوف پیش کرتا ہے وہ عقلیت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی نقطۂ نگاہ لئے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک وسعت ہے اس کا رخ کائنات کی طرف ہے اس کا لہجہ آفاقی ہے شاید قرآن کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے۔

کرامات اور تصوف

حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے کہ "کرامات تصوف کے سلسلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں حقیقتاً تصوف اخلاقی زندگی کا ایک نظام اور نظام کائنات کی ایک مکمل توجیہہ پیش کرتا ہے ــــــ اس کو کشف و کرامات سے کیا تعلق"

تاریخ کے کسی دور میں بھی تصوف کی ایک جامد حیثیت نہیں رہی۔ افکار کے افکار کا اس کے مادی ماحول سے متعلق ہونا ایک لازمی چیز ہے۔ افکار خلا میں زندہ نہیں رہ سکتے

روشن خیال طبقہ اور تصوف

مسلمانوں کے عقائد کی کمزوری کا گلہ ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے۔ آج پھر پرانے انداز میں شروع کر دیا گیا ہے۔ گو یہ اب بے معنی سا معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی دنیا میں مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ سے ایک گونہ دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے اور امکان اس بات کا ہے کہ ہم شاید اسلامی ثقافت کو پھر اس انداز سے ترتیب دینے میں کامیاب ہوں گے۔ جسکی مثال تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ یہ بہرکیف یقینی ہے کہ مسلمان، روشن خیال اور تعلیمیافتہ طبقہ کا عقیدہ ان مذہبی رہنماؤں کی طرف سے بالکل متزلزل ہو چکا ہے جو تقلید جامد کے ذریعہ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور جو مسلسل ان غیر ترقی پسندانہ اصولوں کی تبلیغ کر رہے ہیں، جو مسائل حاضرہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے، رجحان کے اس تغیر کے ساتھ ساتھ عوام تو نہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ مذہبی رسوم سے بھی بری طرح بدظن ہوتا جا رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود اس بات کا امکان ضرور ہے کہ بہتر سماجی حالات میں ماضی کی صحت مند چیزیں پھر واپس آجائیں گی۔

دور حاضر کے مسائل اور تصوف

تاریخ عالم میں تصوف کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دور حاضر کے مسائل اور تصوف کے اساسی اصولوں کو ذہن میں رکھیں۔

عہد حاضر تصوف کے لئے ابتلا اور آزمائش کا دور ہے۔ تصوف کو اس منزل سے اس لئے گزرنا پڑ رہا ہے تاکہ اس کی خرابیاں دھل جائیں اور اسکی بلوریں شکل پھر اسی آب و تاب کے ساتھ نکھر آئے۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ تصوف اس آزمائش میں پورا اترے گا اور زیادہ توانا اور صحت مند ہو کر پھر آدمی کے خطا کار قدموں کو ظلمت اور گمراہی سے بچائے گا۔

(تاریخ مشائخ چشت)

تصوف اور قرآن

ڈاکٹر میر ولی الدین۔ صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی

حقیقی اسلامی تصوف کا مقصود حصول مقام عبدیت مع الالوہیت اور یافت و شہود حق ہے جس کا نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود خلق در حق ہے اس تصوف کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔

عبادت اور استعانت

اے در دل من اصل تمنا ہمہ تو ⁂ وے در سر من مایۂ سودا ہمہ تو

ہر چند بہ روزگار ہی درمی نگرم ⁂ امروز ہمہ توئی و فردا ہمہ تو

انسان بلکہ تمام حیوانات کی زندگی کا پہلا قانون جلب منفعت و رفع مضرت ہے۔ تحفظ ذات اور تولید نسل کیلئے ضروری ہے کہ ان چیزوں کی طلب کرے جو اس کی زندگی کے حفظ و بقا میں ممد و معاون ہیں اور ان چیزوں سے گریز کرے جو اس کو عدم کی طرف لے جاتی ہیں یا قوت حیات کی تجدید کا باعث ہوتی ہیں۔ اشیاء کی ابتدائی تقسیم اسی نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے۔ اشیاء یا تو نافع ہیں یا ضار، مفید ہیں یا نقصان رساں، اچھی ہیں یا بری۔ عضویت پر جب اس کے اثرات کا ترتب ہوتا ہے تو لذت، محبت، فریفتگی یا اطاعت پیدا ہوتی ہے یا الم و نفرت اور توحش۔ ان میں سے ایک بالطبع محبوب ہیں، مرغوب ہیں تو دوسری فطرۃً غیر محبوب و نامرغوب! ایک کے حصول کا وہ کوشاں ہوتا ہے تو دوسرے سے گریزاں۔ کوشاں ہو کہ گریزاں، انسان کی زندگی کا تار و پود یہی جذبات ہیں، ان کا زور مردافگن ہوتا ہے ان کے شر و شور سے ان کو فرصت ملتی ہے اور نہ نجات، یہاں تک کہ زندگی کے مقررہ دن ختم ہو جاتے ہیں اور وہ یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔

من باغ جہاں را قفسے دیدم — مرغش ز ہوا و ہوسے دیدم و بس
از صبح وجودے تا شبانگاہ عدم — چوں چشم کشودم نفسے دیدم و بس

اپنی زندگی کے مختصر قیام میں ہر شخص اشیاء کے تغیر و حدوث کا اچھا مظاہرہ کرتا ہے۔ کائنات میں ایک دائمی تغیر جاری ہے، کوئی شے ساکن نظر نہیں آتی ہے، کاروانِ وجود کو کہیں قیام نہیں، شانِ وجود ہر لحظہ تازہ ہوتی ہے۔ قہری تجلی ہر شے کو ہر لحظہ فنا کر رہی ہے اور جمالی تجلی ہر لحظہ وجود بخش رہی ہے۔ ؎

ہستی کہ عیاں نیست در آں از شانے — در شانِ دگر جلوہ کند ہر آنے
این نکتہ بجو ز کُلَّ یَومٍ ہُوَ فِی شان — گر بایدت از کلامِ حق برہانے (جامی)

اشیاء کے اس تغیر و تبدل، تلوّن و حدوث، فنا پذیری و زوال کی جہت جب چشمِ بصیرت رکھنے والے انسان پر نمایاں ہو جاتی ہے تو اس نے اپنے فقر و احتیاج کی وجہ سے ذل و افتقار یا بندگی کی نسبت جو ان سے قائم کر رکھی تھی وہ یک دم کٹ جاتی ہے۔ ذواتِ خلق کا عجز اس کی نظروں میں واضح ہو جاتا ہے اور اس کو اس ذات کی تلاش ہوتی ہے جو حدوث و تغیر سے منزہ ہے، جو قائم بالذات و متصور بالذات ہے جو واجب و قدیم ہے، صفاتِ کمالیہ سے موصوف ہے، فعال ہے، سارے جہاں کی مالک و حاکم و مولیٰ و رب ہے!

اب مذہب یا دین کا ماحصل بھی اتنا ہی ہے کہ ذل و افتقار کی نسبت (جس کو دین کی زبان میں عبادت و استعانت سے تعبیر کیا جاتا ہے) ذواتِ خلق سے قائم نہ کی جائے اور احتیاجات اور مرادات میں استعانت ذواتِ خلق سے نہ کی جائے بلکہ عبادات و استعانات کا مرکز ذاتِ اللہ رہے۔ یہی مفہوم ہے اس دعوتی کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا۔ اللہ کے سوا کوئی ذات قابلِ عبادت و مستحقِ استعانت (الٰہ) نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو اس پیام کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

فقر و احتیاج انسان کی فطرت میں شامل ہے، اسی فقر و احتیاج کو رفع کرنے کے لئے وہ ہر نفع و ضرر پہونچانے والی چیز کو اپنا الٰہ قرار دیتا ہے، خواہ یہ چیز عناصر سے ہو یا

جمادات سے ، نباتات سے یا حیوانات سے ، فوق الفطرت ہو یا فوق البشر ، ان سے رفع احتیاج کے لئے اعانت طلب کرتا ہے اور استعانت کیلئے ان سے ذل و افتقار کی نسبت قائم کرتا ہے ، اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے ان کو مستقل طور پر نافع اور ضار خیال کرتا ہے اور یہی خیال اس کو اپنے سے کمتر مخلوق کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کرتا ہے

حواس کے اس التباس اور عقل کے اس دھوکے کو دور کرنے کے لئے ذہن حق کا یہ پیام محمد عربی (فداہ ابی وامی) نے عالم کو سنایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کر ، فطرت کا شہکار ہو کر اپنے سے ادنیٰ اور کمتر مخلوق کے آگے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اسکی گردن اگر جھک سکتی ہے تو اسی ایک ہمہ خبیر ، ہمہ داں و ہمہ بیں وہمہ تواں ہستی کے آگے جس کے دست قدرت میں ساری کائنات کی باگ ہے جو جملہ صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام عیوب سے منزہ اور مبرہ ہے ۔ یہی ہستی ہماری "الٰہ" ہے ، یہی قابل عبادت ہے ، یہی مستحق استعانت ہے ، یہی ہماری خالق ہے ، مالک ہے ، ہماری رب ہے مولیٰ ہے ، حاکم ہے ، اسی کے ہم مخلوق ہیں ، مملوک ہیں ، مربوب ہیں ، عبد ہیں محکوم ہیں ، اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں ۔ اور اسی سے تمام حاجات و مرادات میں بھیک مانگتے ہیں ، یہی ذات غنی ہے اور ہم سب اس کے فقیر ہیں ۔ اس کے فقیر ہو کر ہم سارے عالم سے غنی ہیں ۔

دیکھو "الٰہ" کے فہم نے اس کو کیا سے کیا کر دیا ! یا تو وہ ایک حقیر اور ذلیل جانور کی طرح ہر ایک سے ڈرتا اور لرزتا تھا ، ہر ایک کو نافع اور ضار قرار دیتا تھا ، سر عبودیت خم کرتا تھا ، مدد و اعانت کا خواہاں تھا ، ان ہی کی عبادت و عبودیت میں زندگی گذار رہا تھا مشوش ، حیران ، پریشان ، خود ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف ضعف الطالب والمطلوب ۔ اب علم رسالت کے جاننے اور ماننے کے ساتھ ہی لا کی شمشیر ہاتھ میں لیکر وہ آگے بڑھتا ہے اور اپنے جاہل ساتھیوں سے قرآن کے الفاظ میں پوچھتا ہے

افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی ؛ بجز رز خدائے کہ بصد رنگ تراشی

غیر اللہ کی عبادت و عبودیت کا جوا گردن سے اتار کر پھینک دیتا ہے۔ عمر میں پہلی مرتبہ حریت محسوس کرتا ہے، خوف کا بھاری پتھر اس کے سینہ سے اٹھ جاتا ہے۔ اپنے حقیقی مولیٰ کے آگے جھک جاتا ہے اور ان کو رحیم پاتا ہے کان بالمومنین رحیما کی بشارت اس کو ہر طرح مطمئن کر دیتی ہے، اب اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ حق تعالےٰ اس کے ساتھ ایمان کے بعد شان رحمت ہی سے پیش آئیں گے۔ ان کا علاوہ رحیم ہونیکے حاکم و حکیم ہونا اس کے دل کو اور قوی کر دیتا ہے وہ انھیں اپنے ہر امر میں متصرف سمجھتا ہے اور ان کے ہر فعل کو سراسر حکمت سے مملو دیکھتا ہے ان ہی کے حکم کے مطابق ان کو اپنے کاموں میں وکیل بناتا ہے فاتخذہ وکیلا ۹ ان کا فرمان ہے کفی باللہ وکیلا کہہ کر وہ آزادی و اطمینان کے ساتھ مصروف عمل ہو جاتا ہے، اب کہاں یہ اور کہاں وہ جاہل جو غیر اللہ سے ذل و افتقار کی نسبت جوڑ رہا ہے، سچ ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ، وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ، وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ، وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۔ ع (الفاطر ع ۱۵)

برابر نہیں اندھا اور دیکھتا، اور نہ اندھیرا نہ اجالا، اور نہ سایہ نہ لو اور برابر نہیں جیتے اور مردے

اپنے رب سے استعانت کے طریقے کیا ہیں؟ بصیرت محمدیہ نے جن طریقوں کو تعلیم فرمائی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

اپنی حاجتوں میں اور مرادوں میں حق تعالےٰ سے دعا کرو، دعا کا حکم ہے اور اجابت کا وعدہ ادعونی استجب لکم حق تعالیٰ جود محض ہیں، عطا محض ہیں، ان میں بخل کا شائبہ نہیں، مایوسی و محرومی ان کی درگاہ میں نہیں۔ تسلی کیلئے فرما رہے ہیں لا تقنطوا من روح اللہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ وہ حکیم بھی ہیں۔ ان کا ہر فعل

حکمت رکھتا ہے وہ ہمارے خیر کو ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اگر وہ ہماری کسی دعا کو قبول نہیں فرمارہے ہیں تو اسے قبول فرمانے ہی میں ہمارا فائدہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے منعہ عطائہ "مرد کا کمال اسی میں ہے کہ ان کی منع کو عطا جانے" کسی عاشق نے اسی جذبہ کے تحت کہا ہے ؎

اگر مراد تو اے دوست نامرادی ماست ؎ مراد خویش دگر بار من نخواہم خواست

سیدنا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: لا ابالی علیٰ ای حال اصبح اکرہ و علیٰ ما احب لانی لا ادری الخیر لایہما[1]۔ حق تعالیٰ خود ہمیں تعلیم فرمارہے ہیں اور ایک نہایت دقیق نکتہ کی تعلیم فرمارہے ہیں۔

عسیٰ ان تکرھوا شیا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون[2]۔ (البقرہ ۱۰۶)

اسی نکتہ کو سمجھ کر عارف کہنے لگتا ہے: "ہمہ آں باد کہ او خواہد آں مباد کہ ما خواہیم"۔ اور خواجہ شبلی نے عارف کی تعریف ہی اس طرح کردی کہ عارف اوست کہ منع نزد او دوست تر از عطا باشد۔ یہیں سے رضا کا مقام شروع ہو جاتا ہے جو استعانت کا بلند ترین طریقہ ہے۔

بہرحال اگر حق سبحانہ تعالےٰ کسی حکمت و مصلحت سے بندۂ مومن کی دعا قبول نہیں فرماتے تو اس کے قلب کی حفاظت فرمادیتے ہیں۔ مطلوب کی جانب سے خیال پلٹ دیتے ہیں، حکایت، شکایت، جزع فزع کی طرف مائل نہیں کرتے رضا کے مقام پر پہونچا دیتے ہیں اور دل کل اجل کتاب کہہ کر حق تعالےٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔ اجابت کی دعا کو رد نہیں فرماتے بلکہ اس کی کسی بلا کو دور کر دیتے ہیں گو اس کو اس بدل کا علم نہیں ہوتا۔ ایک آخری صورت یہ بھی ہے کہ

---

[1] مجھے اس امر کی پروا نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا ایسی حالت میں جس کو میں پسند نہیں کرتا ایسی حالت میں جس کو میں پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے بھلائی کس حالت میں ہے۔

[2] شاید کہ بری لگے تم کو ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمھارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمھارے حق میں، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

مدعا اگر وہ دنیا میں نہیں پاتا تو آخرت کے لیئے یہ ذخیرہ کیا جاتا ہے۔

ان العبد یری فی صحائفہ یوم القیامۃ حسنات لا یعرفہا فیقال ایھا بدل لسوالک فی الدنیا لم یقدر قضاؤہ فیہا

قیامت کے دن بندہ اپنے اعمال نامہ میں وہ نیکیاں دیکھے گا، جن کو وہ نہیں پہچانے گا۔ اس لئے کہا جائیگا کہ یہ اس سوال کا بدل ہیں جو تونے دنیا میں کیا تھا۔ لیکن تیرے مقدر میں دنیا میں اس کا ملنا نہ تھا۔

بہر صورت اجابت دعا کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ وعدہ مطلق ہے مقید نہیں کہ اسی وقت اور اسی صورت میں پورا کر دیا جائے جو وقت اور جس صورت میں کہ بندہ نے دعا مانگی ہے۔ فافہم اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں تو پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کیوں رسول عربی نے اس دعا کی تعلیم فرمائی تھی۔

اللھم اکفنی کل مھم من حیث شئت وکیف شئت وانی شئت ومن این شئت

استعانت کا دوسرا طریقہ اپنے کاموں میں حق تعالےٰ پر توکل کرنا ہے۔ اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو، محض علم نہیں، یعنی تحقیق ہو، محض تعقل نہیں، یا جدید نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو کہ اگر یہ بات ہمارے "تحت شعوری نفس" میں اتر گئی ہو فاعل حقیقی حق تعالےٰ ہیں، کرنے والے خود بدولت ہیں، افعال و آثار کا مرجع خود ہیں حول و قوت کا مبدء خود ہیں اور پھر اس کا بھی تیقن ہو کہ ایمان کے بعد وہ رحیم بھی ہیں "کان بالمومنین رحیماً" ولی ہیں "واللہ ولی المومنین"۔ تو ہم اپنے تمام امور ان کے تفویض کرنے میں خوشی سے آمادہ ہو جائیں گے اور اس تفویض کے ساتھ ہی فکر سے آزاد ہو جائیں گے۔ طمانیت اور مسرت سے ہمارے قلوب بھر جائیں گے اور کسی مست محبت کے الفاظ میں کہہ اٹھیں گے سه

وکلت الی المحبوب امری کلہ فان شاء احیانی وان شاء تلفا

توکل اپنے حول و قوت سے بری ہونا ہے، اعتصام باللہ ہے ذوالنون ؒ

نے توکل کی تعریف اسطرح کی ہے: "التوکل ترک تدبیر النفس والانخلاع عن الحول والقوۃ اور سری سقطی رح نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے: التوکل الانخلاع عن الحول والقوۃ:" ان تعریفوں کا ماخذ حدیث نبوی: لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور قول عزوجل لاقوۃ الا باللہ - توکل قلبی عمل ہے - یعنی قلب میں یقین جاگزین کہ مجھ میں اور کسی شے میں نہ اثر ہے نہ قوت، نہ حرکت ہے، مجھ میں اور ہر شے میں اثر، قوت وحرکت حق تعالےٰ ہی پیدا کرتے ہیں - وہ جس طرح میرے خالق ہیں، میرے افعال کے بھی خالق ہیں: خلقکم وما تعملون - میرے اقتضائے فطرت یا عین کے مطابق افعال کی تخلیق فرمارہے ہیں، میرا اقتضا، میرا اختیار ہے لیکن فعل کی تخلیق حق تعالیٰ کی جانب سے ہورہی ہے - اس لئے اسباب قطعیّہ کے استعمال و اختیار کا مجھے حکم ہے، حکم کے تحت میں ان کو استعمال کررہا ہوں، جانتا ہوں کہ اگر مجھے اولاد کی خواہش ہو تو جماع کو ترک نہیں کرسکتا - بھوک کی تشفی کے لئے نوالہ کا اٹھانا اور چبانا اور حلق سے نیچے اتارنا قطعی ضروری ہے - توکل یہاں ترک عمل وتعطل کا نام نہیں، علم وحالت کا نام ہے، قلبی کیفیت کا نام ہے، اس یقین کا نام ہے کہ ہاتھ میں قدرت، حرکت، فعل سب حق تعالےٰ ہی کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی مشیت اور ارادے سے پیدا ہوئے ہیں وہ چاہیں تو نوالہ منھ تک نہ پہونچے، ہاتھ شل ہوجائے - کھانا بھی چھن جائے نظر ان کے فعل پر ہے، فضل پر ہے، اپنے زور بازو پر نہیں، کسب پر نہیں، دست بکار دل بیار! توکل ترک اسباب نہیں ترک رعایت اسباب ہے۔"

جب گمراہی عام ہو جاتی ہے

اولیاء اللہ ایسے عہد میں ہوتے ہیں جبکہ حق اور سچائی محدود مگر باعمل اور فساد عام ہوتا ہے اور گمراہی کی تاریکی اس طرح پھیل جاتی ہے کہ کوئی گوشہ بھی پوری طرح روشن اور منور نہیں ہوتا۔ ایسی ہی سوسائٹی اور اسی طرح کے گردو پیش میں وہ پرورش پاتے ہیں اور ان ہی خیالات کو آنکھیں کھول کر ہر طرف دیکھتے ہیں۔ ان کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی یکسر گمراہی ہوتی ہے۔ ان کے کان جو کچھ سنتے ہیں اس میں ضلالت ہی کی صدا اٹھتی ہے اور دماغ و فکر جو کچھ سوچتا ہے اس کا سامان بھی سرتا سر گمراہی و باطل ہی کے واسطے سے میسر آتا ہے۔

لیکن جب کہ وہ اس طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی اندھیاری میں گھرے ہوتے ہیں تو یکایک خدا کا ہاتھ چمکتا ہے اور انھیں گمراہی سے نکال کر حق و ہدایت کے اجالے میں لے آتا ہے۔ ان کی ہدایت کی مثال بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی معذور آدمی اندھیری رات میں ٹھوکروں سے قریب اور غاروں کے کنارے کھڑا ہو اور اندھوں کی طرح دیکھنے اور چلنے سے معذور ہو گیا ہو۔ اتنے میں ایک واقفِ راہ اور باخبر ہاتھ ظاہر ہو کر اس کا ہاتھ تھام لے اور ٹھوکروں سے بچاتے ہوئے اور گڑھوں اور غاروں سے نگرانی کرتے ہوئے ایک سیدھے اور محفوظ شاہراہ سے منزلِ مقصود تک پہنچا دے یا یوں سمجھنا چاہیئے جبکہ گمراہی اور باطل پرستی کی رات آنکھوں کو اندھا اور بصارت کو بے فائدہ کر دیتی ہے تو اس وقت خدائے تعالیٰ اپنے دوستوں کے لئے ہدایت کا سورج چمکا دیتا ہے اور ان کے دلوں کا اس کی روشنی کے اخذ و انعکاس کے لئے انشراح کر دیتا ہے۔

(مولانا) ابوالکلام آزاد

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

روحانی نقطۂ نگاہ

ڈاکٹر رادھا کرشنن سابق وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی آجکل جمہوریہ ہندوستان کے نائب صدر ہیں۔ آپ بہت بڑے فاضل و محقق، شہرہ آفاق مصنف اور بلند پایہ حکیم و فلسفی ہونے کے علاوہ مذاہب عالم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ دنیا کے ان چند منتخب اہل نظر میں سے ایک ہیں جنھیں قرآن، گیتا اور انجیل میں خدا بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو صداقت کو کسی ایک گروہ کی ملکیت نہیں سمجھتے اور جو الہام کو ہوا کی طرح ایک عام عطیہ ربانی خیال فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

گو مجھے ڈاکٹر صاحب کے بعض نظریات (مثلاً آپ مذہب کو خدا اور انسان کے مابین ایک انفرادی رشتہ قرار دیتے ہیں اور عمرانی و سیاسی روابط کو دائرہ مذہب سے خارج کر دیتے ہیں نیز زہد و رہبانیت کو انسانیت کی آخری منزل سمجھتے ہیں، علاوہ ازیں جماعتی اخلاق مثلاً سچائی، دیانتداری، ایفائے عہد کو پابندی رسوم کے نام سے یاد کرتے ہیں) سے اختلاف ہے، تاہم ڈاکٹر صاحب کے ارشادات میں اس قدر صداقتیں بھری ہوئی ہیں کہ طالب حقیقت کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے خصوصاً پیروان اسلام کو جن کا مذہب ہی دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا اور ان کے صحائف کی صداقتوں کو تسلیم کرنا ہے۔

ہندوستان کی سرزمین میں اس سے پہلے بھی تین ایسے فلسفی

اپنی کتاب مشرق و مغرب کا مذہب (Religion of East & West) میں جو انکے چھ خطبوں کا مجموعہ ہے، جو خطبات ۱۹۲۹ء میں آپ نے مانچسٹر کالج آکسفورڈ میں دیے تھے، ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں :۔

"درحقیقت انسان کی مذہبی فطرت تبدیل نہیں ہوتی[۵۱]۔ یہ مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے اور اس اختلاف کا باعث تاریخی حالات ہوتے ہیں، ایک صاحبِ نظر کے ہاں وہ اشیاء جو نسلِ انسانی کو باہم ملاتی ہیں، اُن اشیاء سے زیادہ عزیز و عظیم ہیں جو انھیں ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں یہ میکانکی دنیا جس میں انسان ایک بے روح مشین بن کر رہ گیا ہے

بقیہ حاشیہ

پیدا ہو چکے ہیں جنھوں نے انسانیت کبریٰ کے افقِ اعلیٰ پر کھڑے ہو کر تمام نسلِ انسانی کو ایک ہی آنکھ سے دیکھا تھا یعنی راجہ رام موہن رائے باباگورو نانک اور رابندر ناتھ ٹیگور۔ اور سرزمین بھارت اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ وہاں اس وقت بھی دو ایسے صاحبِ نظر موجود ہیں جو ابنِ آدم کو تفریق و تشتت کی پستیوں سے نکال کر آفاقیت کی بلندیوں تک پہنچانا چاہتے ہیں اور یہ ہیں ڈاکٹر رادھا کرشنن اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا آزاد نے تو پرورش ہی اسلامی روایات کی گود میں پائی تھی اس لئے اُن کی وسعتِ نظر قابلِ حیرت نہیں۔ حیرت آتی ہے ڈاکٹر صاحب کے قلب و نظر پر کہ دیر و برہمن کے تنگ و تاریک ماحول سے یہ روشن سیارہ کیسے اُبھر آیا۔

[۵۱] یہ ایک آیت کا ترجمہ ہے فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ (قرآن)
ترجمہ :۔ انسان اللہ کی فطرت پر پیدا ہوا جسمیں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔

انسانی مساعی کی منزل نہیں۔ ہمیں ایک روحانی نقطۂ نگاہ کی ضرورت ہے جو ہمارے تمام سیاسی
وعمرانی پہلوؤں پر حاوی ہو۔ دماغ کا فرنیچر روحانی قدریں ہیں نہ کہ سطحی زیب
وجلا۔ مذہب تہذیب کی روح ہے۔ سائنسی ایجادات اقتصادی روابط اور سیاسی
معاہدات سے ہم دنیا کو بظاہر متحد کر سکتے ہیں لیکن حقیقی اتحاد کے لئے صرف ہم آہنگی مقاصد
کے غیر محسوس سلاسل ہی کارآمد ہو سکتے ہیں۔ انسانی گھرانے کی تعمیر کے لئے مذہب
اتنا ہی اہم ہے جسقدر سائنس۔

مشرق تصوف پسند ہے

ایک فرد تین اجزا سے بنتا ہے۔ جسم دماغ اور روح، ہر جزو کی مناسب
ترتیب ضروری ہے۔ جسم کے لئے غذا اور ورزش، دماغ کے لئے علم اور روح کے لئے
آرٹ، لٹریچر، فلسفہ اور مذہب لازمی ہیں۔ زندگی کا دھارا اپنی راہ خود کاٹ
لیتا ہے۔ مغرب کی زندگی، علم کی وادیوں میں رواں ہو گئی اور مشرقی زندگی روحانیت
کی طرف مڑ گئی۔ دونوں منطقے علمی و روحانی صفات سے بہرہ ور ہیں۔ فرق صرف نسبت
کا ہے۔ مغرب علم میں بڑھ گیا اور مشرق روحانی اقتدار میں .... یا یوں کہئے
کہ مغرب عمل پسند ہے اور مشرق تصوف پسند۔

مادّہ اور روح

مشرق میں روح پر اس قدر توجہ دی جا رہی ہے کہ مادّی معاملات کے لئے
گنجائش ہی باقی نہیں رکھی گئی، حالانکہ روح اپنے کمالات مادّی ماحول ہی میں دکھا سکتی
ہے۔ آج مشرق کی روحانیت، ایک بدبودار لاش کی طرح گل سڑ رہی ہے۔ ہمارے
دقیانوسی پنڈت (یعنی ملا۔ مبرق) الہامی صحائف سے اسکول ماسٹروں کا سلوک
کر رہے ہیں یعنی تمام زور الفاظ و عبارات پر صرف کر رہے ہیں اور حقائق کو نظر انداز
کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے حقیقت پسند حضرات کالجوں سے فارغ شدہ
گریجوئٹ وغیرہ پر ذہناً اس قدر دیوالیہ اور قلباً روحانی واردات سے اسقدر بیگانہ ہیں

کی تخلیق تو رہی ایک طرف یہ لوگ فرنگ کی نقالی ہی کو منتہائے زندگی سمجھ بیٹھے ہیں۔

بائبل کتاب پیدائش میں درج ہے :۔

"تخلیق کائنات سے پہلے خلا میں ہر طرف اندھیرا تھا اور اللہ کی روح پانیوں پر حکومت کرتی تھی۔"

کل اور آج

کیا آج خلاؤں میں وہی ظلمت موجود نہیں .... آج بھی دنیا میں وہی تیرگی اور انتشار موجود ہے۔ آج کسب دولت کے وسائل میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ لیکن لاتعداد انسان بھوک سے مر رہے ہیں۔ سیاسی حالات بہت زیادہ پریشان کن ہیں ...... آج فن طب انتہائی کمال کو پہونچ چکا ہے لیکن دنیا صحت کی نعمت سے بدستور محروم ہے۔ سیاسی حالات بہت زیادہ پریشان کن ہیں۔ انسانی معاشرت کی بنیادیں منہدم ہو رہی ہیں اور قدیم کرداری اوصاف سے نفرت کی جا رہی ہے.... بالفاظ دیگر: دنیا نے پرانے کپڑے اتار دیے اور نئے حاصل نہ کر سکی...... اس ظلمت و انتشار کے عالم میں چند وقت شناس ہماری قسمتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں جن کا پیشہ تجارت ہے۔ یعنی قومی و مذہبی روایات بیچ کر انسان خریدنا اور ان کے گلے میں اپنی آقائی کا طوق ڈالنا"

تخلیق اور تخیل

اللہ کی طرح انسان میں بھی وصف تخلیق موجود ہے۔ جس طرح اللہ نے آسمانوں میں کروڑوں آفتاب پیدا کر کے خلاؤں کی تیرگی کو دور کر دیا تھا اسی طرح آج ہم پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ خدا کے آلۂ کار یا نائب بن کر انسان کے تاریک ماحول میں نئی امنگوں کے دیپک جلائیں ...... تخلیق تخیل (Idea) کی پیداوار ہے آئیڈیا (تخیل) پہلے ہوتا ہے اور تخلیق بعد میں تخلیق تخیل کے بغیر محال .... صحیح عمل کے لئے صحیح تخیل شرط ہے۔

تخیل اور ایمان

تخیل سے مراد ایمان ویقین ہے۔ اصلی طاقت علم نہیں بلکہ ایمان ہے ...... خدا کو دل سے ماننا اور ہے اور اپنی پوری ہستی سے ماننا اور ہے۔ ایک معمولی انسان خدا کو صرف دل سے مانتا ہے اور ایک خدا رسیدہ (ولی اللہ۔ ایڈیٹر) اپنی پوری ہستی سے اس کا اعتراف کرتا ہے۔

ایمان دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ذکر وفکر کے چند منازل طے کرنے کے بعد دماغ پر قبضہ جما لیتا ہے........

مذہب کیا ہے؟ یہ ایک چیلنج ہے آقا یان گیتی کو کہ اب تمہارا زمانہ ختم ہوگیا اور خدائی دور آگیا۔ خدا ایک زبردست انقلابی طاقت کا نام ہے، وہ نہ صرف زبردست خالق ہے بلکہ بے پناہ مخرب بھی ہے۔ ہیگل کہتا ہے کہ زندگی لاشوں پر چل کر راہ ارتقا طے کرتی ہے، عالم تازہ پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جہان کہن کو درہم برہم کر دیا جائے انقلابیوں نے ہمیشہ نئی تحریکیں چلائیں۔ منجملہ آئین کی تازہ تفسیریں پیش کیں اور زندگی میں حرارت پیدا کرنے کے لئے نئی نئی تنظیمیں جاری کیں۔ حضرت مسیح کا مشن کیا تھا؟ علما کی بے روح روایات کے خلاف احتجاج اور شہنشاہیت روم کے خلاف بغاوت۔ یہی وہ لوگ تھے جن کے دم سے انسان کا تعلق باطن سے قائم رہا اور سماجی نظام میں توانائی پیدا ہوتی رہی۔ جس طرح عمل تخیل سے جنم لیتا ہے اسی طرح دنیا کا بیرونی آرڈر اندرونی آرڈر کی تخلیق ہوتا ہے۔

یہ زمین کس کی ہے؟ جواب ایک ہی ہے کہ خدا کی، اس پر حکومت کس کی ہے؟ جواب ایک ہی ہے کہ خود غرض، فریب کار، پر رعونت اور ویران دل تاجروں کی۔ اگر ہمیں خدا کی غلامی پر ناز ہے۔ اگر ہم اس کے سچے پرستار ہیں تو پھر یہ ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اس زمین کو بندگان ہوا وہوس سے چھین کر خدا اور اس کے بندوں کے حوالے کر دیں[1]

---

[1] ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (قرآن) زمین کے وارث میں وہ بندے ہونگے جنمیں وراثت کی صلاحیت موجود ہوگی۔

انجیل میں درج ہے:۔ "The Earth is the Lord" (یہ زمین خدا کی ہے)

دو نقطۂ نظر

اہل سرمایہ پس ماندہ اقوام کو زیادہ کمزور بنا کر انھیں اپنے در کا سائل بنا لیتے ہیں لیکن مذہب کا تقاضا یہ ہے کہ اہل طاقت کمزوروں کے در پر جا کر ان سے درخواست کریں کہ ہمیں خدمت کے مواقع بہم پہونچائیے۔ طاقتور وہ نہیں جو کمزوروں پر تشدد کرے بلکہ وہ ہے جو ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرے۔ یہ دنیا اُن کی ہے جن کے دل انسانی محبّت اور جذبۂ خدمت سے معمور ہوں۔ اصلی آقا وہ ہے جو انسانیت کا خادم ہو اور سب سے بڑا انسان وہ ہے جو سب سے بڑا خادم خلق ہو۔ یہ دنیا نفرت و بد گمانی کا ایک جہنّم ہے جسے صرف محبت سے جنت بنایا جا سکتا ہے۔ مہاتما بدھ فرماتے ہیں :۔

"نفرت کو صرف محبت سے شکست دی جا سکتی ہے"

اللہ محبت کا دوسرا نام ہے اور اللہ کو صرف وہی پہچان سکتا ہے جو خود مجسم محبّت ہو۔ اس کائنات کی بنیاد محبت پر رکھی گئی ہے۔ اس کا ہر ذرّہ قریب والے ذرہ کو پوری قوت سے کھینچتا ہے۔ ہماری زندگی کے تلخ لمحات وہی ہیں جب ہم سے کوئی غیر انسانی فرد گذاشت ہوتی ہے، مثلاً بھوکی نگاہیں ہمیں دیر تک تاکتی رہتی ہوں اور ہم متوجہ نہ ہوئے مصیبت زدہ پڑوسی فرط کرب سے کراہتا رہا اور ہم نے اسکی کوئی مدد نہ کی، زندگی چند ایسے ہی گم کردہ مواقع (Mined Apportunities) کی المناک داستان ہے۔"

یہ تھے ڈاکٹر رادھا کرشنن کے (افکار و عقائد) چند اقتباسات جن کا آزاد ترجمہ پیش کیا گیا، ان اقتباسات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں اصل چیز محبت روحانیت اور انسانی خدمت ہے، جو علم عشق سے خالی ہو وہ یزدانی نہیں اہرمنی ہے۔ انسانیت عشق کا دوسرا نام ہے ڈاکٹر صاحب ایک ایسی دنیا کی تخلیق

چاہتے ہیں جس میں خرد کے ساتھ فطرت روح الامین بھی شامل ہو۔

نقر بخشی با شکوہ خسرو پرویز بخش
یا عطا فرما خرد یا فطرت روح الامیں
یا چناں کن یا چنیں۔ (اقبال)

اور وہ ایک ایسے انقلاب کے خواہاں ہیں جو سارے عالم کو نورِ عشق کا غلام بنا دے وہ کہتے ہیں کہ دنیائے مغرب میں اہرمن ارزاں ہے اور یزداں نایاب۔ ان کے شیشوں میں وہ زہر ہلاہل بھرا ہوا ہے جس سے اژدھے بھی خم کھاتے ہیں۔
بقول اقبال ؎

اے مسلمانان فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہرمن اندر جہاں ارزاں و یزداں دیریاب
انقلاب اے انقلاب
من درونِ شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آں چناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب
انقلاب اے انقلاب

ڈاکٹر موصوف کو ایک ماڈرن صوفی سمجھئے جن کے فلسفہ کا ماحصل یہ ہے ع
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

آپ کو کعبہ و بتخانہ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا وہ ایک کو جلوت جاناں اور دوسرے کو خلوت جاناں سمجھتے ہیں۔ ان کی فکر رسا کا یہ عالم ہے کہ انجیل قرآن گیتا اور اوستا میں ہر جگہ جلوۂ عید کا عالم دیکھتے ہیں۔ وہ نسل انسانی کو ایک کنبہ اور ساری کائنات کو ایک گھرانہ سمجھتے ہیں ؎

کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا (حالی)

الخلق عیال اللہ (مخلوق اللہ کا کنبہ ہے)

ان کے ہاں فرمانروائی خدمت کا دوسرا نام ہے۔ وہ زمین کو اہل محبت و خدمت کی واحد ملکیت قرار دیتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ نفوس جو ڈاکٹر صاحب کی قندیل سے اپنے دل کے چراغ جلائیں اور اپنی روح میں وہ پہنائیاں پیدا کریں کہ سارا عالم اس میں ڈوب جائے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

بشکریہ نقوش لاہور

قال سے عرفان تک

قال ۔ ہمارے نزدیک قال کی اہمیت کچھ کم نہیں قال صحیح ہی سے عرفان کا حصول ممکن ہے۔

مجاہدہ ۔ اس علم کے استحضار کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ریاضت شاقہ نہیں، جانکشی نہیں، حقوق نفس کا ترک کرنا نہیں۔ بیوی بچوں کا چھوڑنا نہیں۔ استحضار کے لئے شکر، دعا، توکل، تفویض، صبر، رضا نہایت ضروری ہیں۔

معرفت کا حاصل محبت ہے اور اہل ایمان کو محبت حق تعالےٰ کے سوا کس سے ہو سکتی ہے؟ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ انا ہی کی تو شان ہے۔

جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالےٰ کی محبت و عشق کا جاذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو اب وہ اس دنیا میں رہ کر جنت فردوس میں داخل ہو جاتا ہے اسی عبد کامل کو خطاب ہوتا ہے۔

فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (۳۰ ع ۱۴)

ہر وقت چشمہ قرب سے شراب محبت میں سرشار رہتا ہے۔

عینا یشرب بہا المقربون (۳ ع ۸)

(تصوف اور قرآن)

تصوّف کی تعریف

امام قشیری کی تحقیق کی رو سے لفظ "صوفی" سنہ ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔

شیخ ابو علی رودباری فرماتے ہیں:۔

"صوفی وہ ہے جو صفائے قلب کے ساتھ صوف پوشی اختیار کرتا ہے ہوائے نفسانی کو سختی کا مزہ چکھاتا ہے۔ شرع مصطفوی کو لازم کر لیتا ہے اور دنیا کو پس پشت ڈال دیتا ہے" (تابید الحقیقۃ العلیا)

شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں:۔

"تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس، تصفیہ اخلاق، تعمیر ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادت ابدی حاصل کی جا سکے۔ اسکا موضوع بھی تزکیہ و تصفیہ اخلاق و تعمیر ظاہر و باطن ہے اور اس کی غایت و مقصد سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے" (حاشیہ رسالہ قشیریہ)

امام غزالیؒ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں فرماتے ہیں:۔

ترجمہ "جب میں علوم سے فارغ ہو کر صوفیہ کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہونچتا ہے ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قطع کرنا ہے۔ اخلاق ذمیمہ اور خبیثات خبیثہ سے پاک و منزہ ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ کیا جائے۔"

ابو الحسن نوری فرماتے ہیں:۔

تصوف حظ نفس کا چھوڑنا ہے یعنی غیر شرعی حظوظ نفسانی کا ترک

کرتا ہے۔ صوفی ہوا و ہوس سے آزاد ہوتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں ؎

"نیکو مثلے شنو ز پیر بسطام   از دانہ طمع ببر کہ رستی از دام"

ابو علی قزوینی تصوف کو پسندیدہ اخلاق قرار دیتے ہیں۔

ابو سہل الصعلوکیؒ نے اس کی تعریف اعتراض سے بچنا (رسالہ قشریہ) کی ہے

ابو محمد الجریریؒ نے کہا ہے کہ "تصوف ہر نیک خصلت سے مزین ہونا ہے اور تمام بری عادتوں سے قلب کا تخلیہ کرنا ہے"

محمد بن القصاب کے نزدیک "تصوف اخلاق کریمہ ہیں جو بہتر زمانے میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں"

کتانیؒ نے فرمایا کہ "تصوف خلق ہی کا تو نام ہے۔ جو شخص تجھ سے اخلاق حسنہ میں بڑھ گیا وہ تجھ سے صفائے قلب میں بھی بڑھ گیا"

ان مخول صوفیہ کی ان تمام تعریفوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تصوف تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق کا نام ہے۔

حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بعثت کا مقصود ہی مکارم اخلاق کی تتمیم بیان فرمائی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مکارم الاخلاق (مجھے مکارم اخلاق کی تتمیم کے لئے مبعوث کیا گیا)

(قرآن اور تصوف)

خلیق احمد صاحب نظامی ایم۔اے
استاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

محبتِ الٰہی

ارتقاءِ انسانیت کی آخری منزل

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ ایک خط میں مولانا فخر الدین مزوریؒ کو لکھتے ہیں۔

اتفاق اصحاب طریقت و ارباب حقیقت است کہ اہم مطلوب و اعلم مقصود از خلقت بشر محبت رب العلمین است	اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور بڑا مقصود رب العلمین کی محبت ہے۔

قرآن مجید میں ایمان کی سب سے بڑی علامت اور خاصیت محبت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ (بقرہ)	اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محبت الٰہی میں سرشار زندگی تھی آپ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اللّٰھم اجعل حبك احب الیّ من نفسی واھلی و من الماء البارد (ترمذی)	الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔

آپ راتوں کو اتنی دیر تک عبادت کیا کرتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیت الٰہی سے ہے اور چونکہ آپ گناہوں سے پاک کر دئیے گئے تھے، اس لئے آپ کو ریاضت شاقہ کی ضرورت نہ تھی آپ نے اس شبہ کو دفع کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عبادتوں کا مقصد محبت الٰہیؑ ہے خشیۃ الٰہی نہیں اسی لئے ارشاد فرمایا۔

وَجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ — میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

صوفیہ نے اسی محبت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نہایت سوز و گداز کے ساتھ یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

دنیا شہ را و قیصر و خاقان را — دوزخ بدرا بہشت مر نیکاں را
تسبیح فرشتہ را صفا مر انساں را — جاناں مارا و جان ما جاناں را

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک دن بابا فریدؒ کو دیکھا کہ بند حجرے میں پشت پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے کھڑے ہیں قبلہ کی طرف چند قدم آگے بڑھتے ہیں اور یہ اشعار پڑھ کر وجد کرتے جاتے ہیں۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم! — خاکے بشوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

صوفیہ کا کہنا ہے کہ محبت ہی راز حیات ہے اگر اس کی آگ دل میں نہ ہو تو وہ گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا ہے، اگر عشق کی گرمی ہو تو انوار ربانی کا محل ہے

سلامتی دل عشاق از محبت تست — وگرنہ این دل پر خون چہ جائے منزل تست

محبت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی زندگی سمٹ کر ایک مرکز پر آجائے اس کا بال بال یہ پکارنے لگے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ — بے شبہ میری نماز میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اسی ایک عالم کے پروردگار اللہ کیلئے ہے

اور شبلیؒ کا یہ قول اس کے حالات کا آئینہ دار بن جائے۔

"فقیر سوائے حق کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا"۔

خدا کیلئے جینا کہنے کو تو ایک معمولی سا جملہ ہے لیکن اگر اسپر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ "ارتقاء انسانیت کی آخری منزل یہی ہے"۔

خدا کیلئے جینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرلے اور ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے۔ وہ شادی بھی کرے، کھائے بھی۔ اللہ کی مخلوق سے ملے بھی لیکن اسطرح کہ وہ علائق کے ہجوم اور تعلقات کے ازدحام میں گرفتار ہوکر اپنے معبود حقیقی کو نہ بھول جائے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے مستفید ہو لیکن دنیا کی محبت اس کے دل میں جگہ نہ حاصل کرنے پائے۔

خدا کے لئے جینا نیت کا ایک زبردست انقلاب ہے۔ ایسا انقلاب جو انسانی زندگی کے مرکز و محور کو بدل دیتا ہے۔ انسان کا ہر کام کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لئے ہونے لگتا ہے۔ وہ دنیا کا ہر کام کرتا ہے لیکن اس کی نیت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ عبادت کے اس مفہوم کو رسول مقبولؐ نے اس طرح سمجھایا کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے ارادہ کیا کہ اپنی ساری دولت راہ خدا میں دے دیں تو فرمایا:-

"اے سعد: جو کچھ اس نیت سے خرچ کرو کہ اس سے خداوند تعالیٰ کی ذات مقصود ہے اس کا تم کو ثواب ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں دو اس کا بھی ثواب ہے ـــــ یہ ہے خدا کے لئے جینا اور یہ ہے نیت کا وہ انقلاب جو انسان کی زندگی میں ایک بنیادی تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت)

جناب ایس۔ ایس احمد صاحب

دانائے راز

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات ؎ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

دانائے راز کا وجود اعلیٰ انقلاب حال کے لئے ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت پُراسرار ہوتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ شخصیت اس لئے پراسرار نہیں ہوا کرتی کہ اس کے پاس کوئی واضح پیغام نہیں ہوتا۔ نہ اس بنا پر کہ اس کے مشن کو ایک خفیہ پارٹی کی ضرورت پڑتی ہے اور ضرورت کے لئے سازشوں کی رشتہ دوانیاں درکار ہوتی ہیں۔ بلکہ اس کا طرز عمل، اور شب و روز کی خاموش مصروفیتیں اس کو پراسرار بنا دیتی ہیں۔ غور کیجئے تو محسوس ہوگا کہ مخلصانہ مصروفیتوں کی خاموشی کے شب و روز پرشور ہوا کرتے ہیں۔ پرشور نہیں ہوا کرتے، انسانوں پر انقلاب کو گزار دینے کا شدید احساس، پرشور بنا دیا کرتا ہے۔ یہاں پر یہ "شدید احساس"، اپنے معنوں میں مخصوص طور پر استعمال کیا گیا۔ مزید یہ کہ اس حالت کو اگر آپ سیاسی ہلچل سے تشبیہ دیں گے تو غلطی ہوگی کیونکہ اسطرح کی ہلچل جس دماغ کی پیداوار ہوتی ہے اس کے پس منظر میں حکومت کرنے کی ہوس کارفرما رہتی آئی ہے۔ عوام کا فائدہ اور نقصان اصل میں ضمنی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو "دانائے راز" کہا جائے تو بات موزوں معلوم ہوتی ہے۔ ویسے وہ ایک دین کے پیرو تھے اور کسی مذہب کے بانی نہیں تھے۔ اگرچہ کچھ لوگ ان کی مقدس زندگی کے روشن آثار سے

نتیجہ نکال لیتے ہیں حالانکہ خواجہ صاحب کے ملفوظات سے اس کی تغلیط ہوتی ہے۔

بہت سی شخصیتیں پراسرار گزری ہیں لیکن پراسرار شخصیتوں سے بہت کم لوگ واقف ہو سکے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ بھی یہ معاملہ نظر آتا ہے۔ ورنہ خواجہ صاحب کے ورود اجمیر کے حقیقی پس منظر سے اتنی بے خبری عام نہ ہوتی جتنی کہ پائی جاتی ہے پس منظر کی حقیقتوں پر نگاہ جمایئے تو پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں اور سماجی نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کا ایشیا دو بڑے طبقوں کی تصویر لئے ہوئے مقابل ہوتا ہے۔ ایک جانب مشرق وسطیٰ کے انسانوں کی روندی ہوئی زندگی ہوتی ہے، دوسری طرف ہندوستان اپنے وسیع و عریض ماحول کے ساتھ کراہتا ہوا محسوس ہوتا ہے ایک طرف اہرمنیت ہنگامہ خیز ہوتی ہے دوسری طرف برہمنیت سانپ کا زہر بن کر انسانی خون میں شامل نظر آتی ہے۔ نہ کعبہ والے چین سے ہوتے ہیں اور نہ تنجا نہ والوں کے نصیب میں سکون دکھائی دیتا ہے۔ دونوں جگہ خواجہ صاحب کی باکمال شخصیت، انقلاب حال کا محور ثابت ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے دانائے راز تھے۔ لطف یہ کہ انھوں نے کسی سے غزنیں و نیشاپور کی غارت گری کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ملاحدہ باطنیہ کی جارحانہ سرگرمیوں پر کوئی تبصرہ مناسب نہ سمجھا گیا۔ نہ سبزوار کے مشہور متبحر علام اور فلسفی ضیاء الدین رحؒ کے مناظرانہ کبر، اور عالمانہ غرور کے ساتھ پیش آنے کے واقعہ کو بحث میں لائے ــــ حالانکہ نیشاپور کے حالات خواجہ صاحب کے پہونچتے ہی معمول پر آجاتے ہیں۔ باطنیوں کا استیصال ہوجاتا ہے اور ملا ضیاء الدین، وابستۂ حلقۂ ارادت ہوجاتے ہیں۔ اس لئے کہ خواجہ صاحب کی نقل و حرکت کا مقصد یہی تھا۔ وہ ایسا ہی چاہتے تھے۔ تاریخ اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے۔ کہیں سرگوشی، بغداد میں سیاسی زلزلہ آرہا ہے

تاتاری علم و بربریت کو انتہا تک پہونچا رہے ہیں، پراسرار شخصیت اس ماحول میں بھی خراماں نظر آرہی ہے۔ قدم کے بوجھ سے زلزلہ ختم ہو جاتا ہے۔ زلف کی نسیم بربریت کی چڑھی ہوئی آندھی اتار دیتی ہے۔ یہاں بھی تاریخ کی شہادت ثابت ہے

تبلیغ کی بات عام نقطۂ نگاہ سے کہئے تو ۹۲ ہجری سے ۵۸۵ تک کے زمانہ میں، ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کی آمدورفت کی تاریخی واقعیت سے انکار ممکن نہیں۔ تاجروں کے بھیس میں آئے اور ملیبار کے علاقہ میں اذان گونجنے لگی۔ مجاہدانہ عزم کے ساتھ وارد ہوئے اور سندھ کے شرک زار کو نغمۂ توحید سے سرشار کر گئے۔ چڑھائی کی اور سومنات تک گردنیں جھکا دیں مگر خزانے اٹھالے گئے — ذرا وقعہ سے دیکھئے تو سراغ نہیں ملتا کہ انقلاب حال، اپنے تمام تقاضوں کے ساتھ رونما ہوا ہو۔ چنانچہ نقوش محو ہونے لگے۔ نشانات برابر ہوگئے ایسا اس لئے ہوا کہ ایک دانائے راز، اپنی پراسرار شخصیت کے ساتھ آنے والا تھا۔ چند افراد کو ہمراہ لئے، بے ہتھیار، اور اجنبی۔

آنے والے کا استقبال، اس عظیم ملک، کے سماجی روایات سے وابستہ "قوانین" منو کے ان لفظوں نے کیا:-

"کوئی شودر اگر کسی برہمن سے قریب ہو کر گذر جائے تو اس کی پیشانی داغ دو۔"

مہاتما بدھ کا آدرش، شری رامچندر کا عزم و جہد، اور کرشن کے عرفانی پیغام کی روح ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھ جائیے۔ چھٹی صدی ہجری کا ہندوستان اس سے خالی نظر آئے گا۔ پتھورا۔ اجمیر کے سنگھاسن پر براجمان ہے۔ کروڑوں کچلے ہوئے انسانوں کا مہاراج، ملک کا اونچا طبقہ مہابلی کے خطاب سے نواز رہا ہے۔ بھارت کے واحد رائے کا لقب، تیکدوں کے امین عطا

ہر جاگیردار چھوٹا یا بڑا، اپنے حلقۂ اثر کا بچھو رہا ہے۔ دہا بلی ہے۔ رائے ہے۔ لوگ خوفزدہ ہیں۔ یہ بھی بھول چکے ہیں کہ فریاد درشیون، مجبور انسانوں کی فطرت ہے۔

عوام کی یہی درماندگی ہے جو زبان حال سے فریاد کرتی ہے کوئی اس فریاد پہ کان نہیں دھرتا۔ اسطرح کی فریاد کو جو سن لیتا ہے یہی دانائے راز ہوتا ہے بے آواز چیخ، جس کرب کا خاموش اعلان کرتی ہے اس کرب کے اسباب کو ویسی ہی خاموشی کے ساتھ دور کر دیا جائے تو یہ معاملہ بہت پراسرار ہوگا۔ اور مصلح شخصیت کو بھی پراسرار کہا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ رح کی زندگی پر مورخانہ تحقیق تو بہت ملتی ہے، فلسفیانہ تفحص کم ملتا ہے۔

"قال کی مطابقت حال سے"۔ تصوف کے اصطلاحی معنوں کے علاوہ اس معنی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے کہ صوفی کی زندگی کو بیان کرنے کے لئے فلسفہ کی زبان اختیار کی جائے جیسے شاعر کی زندگی پر ادب کے مخصوص اسلوب میں ہی اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ یہ انداز تذکروں میں نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے خواجہ صاحب رح کی زندگی کو سمجھنے کی خواہش رکھنے والے شدت تشنگی محسوس کرتے ہیں ورنہ ان کی بابرکت شخصیت سے یورپ بھی مستفید ہو سکتا ہے اور اس برعظیم پر زمانۂ بعید کی اہم سیاسی تبدیلیوں کا راز افشا ہو جاتا اور چھٹی صدی ہجری کے ہندوستان میں مہاراجوں اور مذہبی اعلیٰ طبقوں کے جبر و تشدد کی تاریخی تفصیلات سے خواجہ صاحب کے اہم کردار کو منضبط کیا جا سکتا۔

پتھورا کے مزاحم ہونے پر حضرت خواجہ کا یہ فرمانا کہ ہم نے اُسے گرفتار کر کے بادشاہ اسلام کے حوالے کر دیا۔ ایک جوابی فقرہ نہیں ہے۔ درویش کی عاجزانہ بد دعا کا جذبہ بھی نہیں جھلکتا۔ یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ انقلاب حال کی ظاہری تعبیر کے اعلان کے لئے جس موقعہ کا انتظار کیا جا رہا تھا وہ موقعہ آ گیا۔ یہاں ایک چبھن سی محسوس ہوتی ہے

کہ ناتحقین سے خواجہ صاحبؒ کوئی دلچسپی رکھتے تھے۔ بعد کے واقعات سے یہ چیمبن دور ہو جاتی ہے کیونکہ اب دہلی پایۂ تخت ہونے والی تھی۔ اور خواجہ صاحب نے تمام عمر اجمیر کے اس حصہ میں گزاردی جو غیر آباد تھا۔ سلطنت کے نئے ذمہ داروں سے کسی طرح کا علاقہ ثابت نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی نہیں مانی جا سکتی کہ سلطنت کی تبدیلی ان کا نصب العین تھا۔ ورنہ ظاہری ساز و سامان کے ساتھ تبلیغ کے نام پر ان کے خانوشش چلن میں فرق آجانا لازمی تھا اور بادشاہ کے تعاون سے مفتوحہ علاقوں کے چھوٹے چھوٹے دیہات میں بھی مسلمانوں کے سوا کوئی شخص اپنی روایات کے ساتھ باقی نہیں بچ سکتا تھا اصل مقصد ملک اور ماحول کے باطن کو جلا دینا تھا۔ اس مقصد کی تحصیل کا جو طریقہ حضرت خواجہؒ نے اختیار کیا اُسے آج کے اہل طریقت نے کہاں تک سمجھا ہے۔ یہ ایک سوال ہے جواب مسئلہ بن چکا ہے اس مسئلہ سے قطع نظر کیجئے تو عمیق تفکر، حضرت خواجہؒ صاحب کو کسی حلقۂ خاص سے وابستہ نہیں پاتا۔ اُنھیں سب سے علیحدہ دیکھتا ہے۔ انفرادیت کی زمین پر یکتائی کے آسمان کے نیچے، یگانگی کی فضاؤں کے ساتھ، کیونکہ نظری تصوف مطمحِ نگاہ ہوتا تو حضرت خواجہؒ اپنی گرانقدر تصنیفات کے ساتھ۔ غزالی اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ کی قطار سے الگ نہ کئے جا سکتے۔ محض ذکر و اشغال سے "توصل الی اللہ" مقصدِ حیات ہوتا۔ جنید و بایزید رحمہا اللہ کی صف کے علاوہ ان کی جگہ نہ ہوتی۔ اور اگر مسلمانوں کی اصلاح حال ان کی زندگی کا متاعِ گراں قرار پاتا تو وہ نامور آئمہ و فقہاء کی بزم سے باہر نظر نہ آتے حالانکہ حضرت خواجہؒ اپنی منزل کے راستے میں ان تمام مقامات کی سیر خوب کر چکے تھے۔ اختصاص یہ ہے کہ ان کی شخصیت کو محدود قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فردیت اور انفرادیت کی ایسی مثال کہاں ملے گی۔

تذکرہ نگاروں کیلئے خواجہ صاحب کی زندگی پر کچھ لکھنا مشکل نہیں۔ بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی ہستی حضرت خواجہ کی زندگی کے ان نقوش کو اجاگر کر سکے جن نقوش سے نکری

انقلاب کے سوتے ابل پڑے تھے تو یقیناً آج کی انسانی زندگی پر احسان ہوگا۔ مانا کہ محبوب الٰہی اور نصیر الدین چراغ رحمہا اللہ کی ذوات اعلیٰ صفات، بہ ظاہر۔۔ ہمارے درمیان نہیں۔ مگر مبدء فیاض کا فیض جاری ہے۔ یہ ضرورت اس دور میں شدید تر اس لئے ہو گئی ہے کہ پہلے بصیرت نہ ہونے کی بناء پر لوگ گمراہ ہو جاتے تھے۔ اب تعلیم و تعلم کے عام ذرائع نے لوگوں میں تفکر تو پیدا کر دی مگر نتیجہ یہ نکلا کہ بصیرت ہی گمراہ ہو گئی جس نے کہ انسانی جوہر کو اور بھی بے آب کر کے رکھ دیا۔ خواجہ صاحب پر جو کتابیں بازار سے دستیاب ہو سکتی ہیں ان میں تاریخ کے طالب علموں کے لئے تو یقیناً بہت کچھ ہے لیکن شخصیت پر فوکس نہیں پڑتا۔ ایک طبقہ ہے جو تمام رطب و یابس کو سمیٹ لیتا ہے۔ دوسرا گروہ ان اصحاب قلم کا ہے جن کی تحقیق کی کسوٹی ضروری حالات میں بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ شاید اس لئے کہ اس عہد کے ذہنی سانچہ میں روایات یا واقعات فٹ نہیں ہوتے۔ تو وہ بہت کچھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کرامتیں ہوں یا خوارق۔ ان کے اظہار سے شخصیت پر کوئی ایسا اثر نہیں پڑتا جو ذہن سائنس کو اس نتائج کا حریف نہ سکے اور اگر یہ احتیاط اس لئے ہے کہ آج مشاہدہ نگار فکر کی مشاطگی کر رہا ہے تو محض اس بناء پر کترا کے گذر جانے کی ادا مورخ کو زیب نہیں دیتی۔ انہیں احساس کمتری کا شائبہ پیدا ہوتا ہے،

"آخر جو ذہن مادہ کے تحلیل و تجزیہ پر ریجھ رہا ہے وہ روح لقائے روح، اور روحانیت کے حقائق پر غور کرنے سے گریزاں کیوں ہے؟ یقیناً ایٹم کی قوتوں کو سمجھنے کے مقابلہ میں روحانیت کی حقیقتوں کو زیادہ آسانی سے جان لیا جا سکتا ہے۔ اسطرح کی بات کو مذہب کی طرف دعوت دینے کے لئے اگر لوگ حیلہ سمجھ لیں تو یہ اور اچھی چیز ہے۔ حیلۂ حقیقت آموز، کو استعمال نہ کرنا، اخلاقی گناہ سے کم نہیں۔ خواجہ صاحب نے تصوف پر موٹی موٹی کتابیں نہیں لکھیں، صرف اپنا کردار

پیش کیا اور اپنے شیخ کی صحبتوں کا ذکر، ان کے ملفوظات اور اپنے مجاہدوں کا ضمنی تذکرہ فرمانے پر اکتفا کیا ہے تو اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے صحیح طور پر پیش کر دینا تبلیغ و ہدایت کا حق ادا کر دینے کیلئے بہت کافی ہے۔

کہنا یہ ہے کہ حضرت خواجہؒ کی زندگی کی ظاہری اور باطنی خصوصیتوں پر غور کیا جائے۔ یہ درست ہے کہ ان کی پیدائش کے صحیح مقام و وقت میں سنین اور روایات کا اختلاف ہے یا ورود اجمیر کی تاریخ اور دن کا تعین، مختلف بیانات کی بناء پر ممکن نہیں لیکن اس سے ان کی شخصیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ یہ دیکھئے کہ طوائف الملوکی کے ہنگاموں میں شرق وسطیٰ کا سفر اختیار کرنا، اور عبادت الٰہی کے لئے کوئی گوشہ چن کر ان کا بیٹھ نہ رہنا ہمیں ان کی شخصیت پر احتیاط سے غور کرنے کی دعوت دیتا ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ امر متحقق ہے کہ خواجہ صاحب اس ملک کی زبان سے واقف نہیں تھے، یہاں کی تہذیب ان کے لئے اجنبی تھی۔ یہاں کے لوگ ایک ایسے مذہب کے پیرو تھے جس کا بنیادی ٹکراؤ ان کے معتقدات سے یقینی تھا تو پھر اجمیر جیسی جگہ کو ان کا انتخاب کر لینا صرف حیرت انگیز ہی نہیں کوئی بھید بھی رکھتا ہے۔ وہ اجمیر کے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر تبلیغی تقریر نہیں کرتے، مسلمان بنا لینے کی جدوجہد کا نشان نہیں ملتا۔ اور پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں انسان ان کے حلقہ بگوش ہو گئے، کتنے ہی جنھوں نے اپنی زندگیاں بدل دیں اور خود بخود ان کے کان وہ سننے لگے جو حضرت خواجہؒ سنانا چاہتے تھے۔ وہی کہنے لگے جو ان سے مقصود تھا۔ وہی دیکھنے لگے، جن نگاہوں کو جما دینے کا ارادہ تھا اور دلوں نے انتہائی صداقت کے ساتھ اسے قبول کر لیا، جسے حضرت خواجہؒ تحفۂ درویش کے طور پر عطا فرمانا چاہتے تھے، تو ان بوالعجبیوں پر ذہن حیران نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے متعلق سوچنے کی ایک الگ راہ پا لیتا ہے۔ یہ راہ تقاضا کرتی ہے کہ دوسرے

تمام راستوں سے آنکھیں بند کرلی جائیں ورنہ ان کی عدیم المثال شخصیت کا تجزیہ
منکرانہ طور پر ممکن نہ ہوگا، اس راہ پر جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیے ان کی شخصیت
بلند تر ہوتی جائے گی۔ دنیا کی عظیم مصلح شخصیتوں کا احاطہ کیجئے۔ خواجہ صاحب رح
اپنی انفرادی خصوصیتوں کی بناء پر سب سے الگ نظر آئیں گے۔ یہ راہ بتاتی ہے کہ
ولایت کا وہ مقام جہاں سے صحاب عظمت نظر آتا ہو۔ یا اٹھارہ ہزار عالم بلحاظ
صفت، خواجہ صاحب رح ہی کے لئے مختص نہیں ہے۔ ہاں بغیر کسی دنیوی اسباب کے
احتیاط و مصلحت کے تمام تقاضوں سے بے نیاز ہو کر، کسی اجنبی دیس کے ظاہر و باطن
کو منقلب کر دینے کا عزم کامیاب حضرت خواجہ رح کا وہ امتیازی نشان ہے جو صرف
ان ہی کیلئے ہے۔ ان کی مقدس نسلیں۔ رجیپال کے لئے سحر شکن ثابت ہوئیں، مگر
اسے ان کی قوت و جلال کا مظہر نہیں کہہ سکتے۔ برسر اقتدار حکومت کا شدت بیزاری
کے باوجود حضرت خواجہ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے کے حوصلے سے محروم ہو جانا، ان
کی قوت کی بے پناہیوں کی سمت اشارہ کرتا ہے۔ کسی بے گناہ مقتول کو ذی حیات
کر دینے کا عمل، چشم انصاف و کرم کی کرشمہ نگاہیوں کی یگانہ مثال نہیں۔ البتہ دہلی سے
اجمیر تک آتے آتے راہ میں سینکڑوں قبیلوں کو ہزاروں برس کی روایات سے منھ
پھیر لینے کی چبھن محسوس کرا دینا، پورے قبرستان کو جگا دینے پر بھاری ہے۔ بلاشبہ
ان کے دامن فیض و کرامت سے وہ انوکھے پھول لٹائے گئے جو اور کسی چمنستان میں کھلنے
کو بھی نہیں ملتے۔ چنانچہ فیض و رحمت کی وہ روشنی جو فکر انسانی کو معرفت نفس اور
عرفان حق کی منزلوں تک پہنچا سکے آج بھی جاری ہے۔ آج مشروط ہے کہ جذب و
شوق اور رسمی قبول سے طالب تہی دامن نہ ہو۔

حضرت خواجہ رح کی زندگی سے استفادہ اس دور کے لئے بہت ضروری ہو گیا ہے
اس عہد کا دماغ خرد کی گتھیاں سلجھا رہا ہے۔ روح الجھتی جا رہی ہے۔ مذہب کو بحث و

تمحیص کے لئے ایک نظریہ بناکر، مذہب والوں نے بے کشش کر دیا ہے۔ اس جنس کیلئے جذب قبول ایک مثالی کردار چاہتا ہے جو مفقود ہے، حضرت خواجہؒ بزم عشق کے نمائندے ہیں۔ دانائے راز ہیں، ان کی شخصیت پراسرار ہے، سررشتہ خیال اگر ان کے دامن کے جمیل تاروں سے بندھ جائے تو ذہن کی سطح بلند ہونے لگتی ہے، گردش کی رنگ آمیزیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ دیدۂ دل اثرپذیری و اثر اندازی کے داؤں پیچ سے واقف محسوس ہو جاتا ہے، اور سماج کی باہمی آویزش کا نقشہ، محرومی عزیمت کی گراں خوابی سے چونکا دیتا ہے، مگر حضرت خواجہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے اثرات سے غفلت شعاری کا اندوہناک انجام دیکھ کر بھی ہمارے بھٹکے ہوئے قدم اپنا راستہ بدلنے کو تیار نہیں، حالانکہ اکابر صوفیہ نے دوسرے مذہب کے لوگوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ عوام سے زیادہ ان کے خواص کو گرستھ صاحب کے مطالعہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ پچھلے عہد میں اس ملک کے باشندوں کا ذہن صوفیہ سے بہت قریب ہو چکا تھا، اور بہت عرصہ تک رہا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی پر بھی جبتک صوفیہ کیا رکا رنگ قائم رہا۔ نہ ان کے اندر فرقہ پرستی کے جذبات سفلی پیدا ہو سکے اور نہ دوسرے کے دلوں میں ان کے لئے تنفر و تنقیص نے گھر بنایا۔ یہ سچ ہے کہ بعد کے صوفیوں کو اغیار کی بہ نسبت اپنوں سے زیادہ تکلیف پہنچی اس کا جواب انتقام نہیں استقامت تھا۔ انسان کے لئے بہ حیثیت انسان کے، اصلاح و فلاح جوئی کی آفاقیت کا اثر جب گھٹنے لگتا ہے تو انتقام پیدا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بنیاد ہی متزلزل ہوتی ورنہ حریف طاقتیں غالب نہ ہو پاتیں۔ حضرت خواجہؒ سے جہاں کہیں بطور خرق، کوئی مظاہرہ ہوا، اس کا اصل باعث یہ تھا کہ حریف ان کے مزاج کی آفاقیت کو مجروح کرنا چاہتا تھا، ایسے مواقع پر کرامت کا ظہور بیحد ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن انفرادی حیثیت میں نمود و درگزر کے سوا کوئی چارہ نہیں، دیکھئے جہاں

کہیں صوفیوں کا یہ خاصۂ خلق (سوسائٹی میں) افراد کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ان کی طرف دل کھنچنے لگتا ہے۔ جمہوری سیاست میں بعض شخصیتوں کی غیر معمولی مقبولیت کا راز بھی یہی ہے۔ ان کی زندگی اندر سے متصوفانہ رنگ میں ڈوبی ہوتی ہے۔ اس طرح کے افراد فی الاصل کسی ایسی نگاہ کرم کے محتاج ہوتے ہیں جو زندگی کو یکسر بدلنے پر قادر ہو۔ جو آنکھوں پر سے مادہ کا حجاب اٹھا سکتی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کتابیں نہیں کرسکتیں۔ خواہ وہ تصوف پر ہوں یا حضرت خواجہؒ کی زندگی پر۔

اگر آج کے حالات میں حضرت خواجہ بزرگ ہوتے تو یقیناً ان کی مسافرت کا قدم ماسکو۔ لندن اور واشنگٹن سے بے خبر نہ رہتا کیونکہ جب تک رحمانی اور شیطانی قوتیں اس عالم میں کارفرما رہیں گی۔ حضرت خواجہ کی حیات سرمدی بھی فیوض و برکات کے ساتھ موجود رہے گی اور سیچورا بھی باقی رہے گا۔ پھر کیوں نہ ہم اتنے بڑے انقلابی فقیر کے ظاہر سے اپنا ظاہر اور باطن سے اپنا باطن درخشندہ تابناک بنالیں اور فکر و عمل کے عام رجحانات کا رخ دوسری طرف پھیر دیں؟

بہت بہتر
صحت مند
صورت
لومی
سفید بالوں کو سیاہ کرتا ہے
اگاتا ہے زیادہ بال ...
دور کرتا ہے گنجا پن، جوئیں، پھوڑا پھنسی
مہکاتا ہے میٹھی خوشبو ...
سول ایجنٹ:۔ ایم ۔ ایم کھمبات والا احمد آباد
رام تیرتھ برہمی آئیل
اسپیشل نمبر (۱)
(آیورویدک میڈیسن)
دماغ کو طاقت ور بناتا ہے۔ بالوں کو سیاہ اور چمکدار بناتا ہے
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے اور مضبوط بناتا ہے۔ جوؤں اور لیکھ کو نابود کرتا ہے۔ حافظہ
کو تیز کرتا ہے۔ آنکھوں میں روشنی پیدا کرتا ہے اور ہر جگہ ملتا ہے۔
قیمت:۔ بڑی بوتل ۲ روپیہ ۸ آنہ چھوٹی بوتل دو روپیہ۔
جسمانی صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے بہترین آسنوں کا مصور چارٹ
جسے دیکھکر آپ اپنے مکان میں ورزش کر سکتے ہیں۔ قیمت معہ محصولڈاک ۱۲؍ منی آرڈر کر کے طلب فرمائیے
رام تیرتھ یوگا شرم بمبئی ۱۴ (فون نمبر ۶۲۸۹۹)

"Nai Rah" ★ Editor : Z. A. Abbasi

HIRJIGOVINDJI BLOCKS.
B-9, BOMBAY 8

Ajmal Press, Bombay 3.